مولانا مفتی محمد طارق محمود [مدرس و معین مفتی جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور]

علوم القرآن کا اِجمالی تعارف

قرآن مجید دینی علوم کا سرچشمہ اور اَساس ہے۔اس کے معانی کو صحیح طور پر سمجھنے کے اُصول وضوابط مستقل علم کے طور پر مدون ہیں۔اسے علوم القرآن یا اُصول التفسیر کہتے ہیں۔زیرِ نظر مقالے میں علوم القرآن کا ایک بنیادی خاکہ پیش خدمت ہے۔اِسے ضبط کر لینے سے امید ہے کہ اِس فن کی تفصیلات سمجھنا آسان ہوجائے گا۔اور کلام باری تعالی کی تفسیر کی اُصولی بنیادیں سامنے آجائیں گی۔اِس مضمون کا بنیادی ماخذ شیخ جلال الدین سیوطی (۸۴۹ - ۹۱۱ھ) رحمہ اللہ کی **الاتقان فی علوم القرآن** ہے۔اِس کتاب میں علوم القرآن کی ۸۰/اَنواع ذکر کی گئی ہیں۔اِس کے علاوہ کسی کتاب سے جو بات نقل کی گئی ہے اُس کا حوالہ ذکر کردیا ہے، اِلا یہ کہ تشریح کے لیے کہیں کوئی جملہ بڑھایا ہو۔

قرآن کریم کے الفاظ اور معانی دونوں بالاتفاق اللہ تعالی کی طرف سے وحی کیے ہوئے ہیں۔ اَحادیث قدسیہ کے بارے میں بھی مشہور قول یہی ہے کہ ان کے الفاظ بھی اللہ تعالی کی طرف سے ہیں۔ (حدیث قدسی اُسے کہتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ اللہ تعالی کا ارشاد نقل فرمائیں)۔البتہ اَحادیث نبویہ کے صرف معنی وحی ہیں۔الفاظ رسول اللہ ﷺ کے اپنے ہیں۔اور جو اَحادیث آپ ﷺ نے اپنے اِجتہاد سے اِرشاد فرمائیں اُن کے معنی اور اَلفاظ دونوں حضور ﷺ کے ہیں۔(مناہل العرفان :۱/۵۰،۵۱ ملخصا)

۱: **معرفة المکی و المدنی** (مکی اور مدنی آیتوں کی پہچان) :مکی اور مدنی کے اطلاق میں اہل فن کی تین اصطلاحات ہیں۔ا: زیادہ مشہور یہ ہے کہ مکی وہ ہے جو ہجرت (مدینہ) سے پہلے نازل ہوئی، اور مدنی وہ ہے جو ہجرت (مدینہ) کے بعد نازل ہوئی، چاہے مکہ میں نازل ہوئی یا مدینہ میں نازل ہوئی۔۲: مکی وہ ہے جو مکہ میں نازل ہوئی اور مدنی وہ ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی۔اس قول کی رو سے جو آیات سفر میں نازل ہوئیں وہ نہ مکی ہیں، اور نہ مدنی۔۳: مکی وہ ہے جس میں اہل مکہ کو خطاب ہے، اور مدنی وہ ہے جس میں اہل مدینہ کو خطاب ہے۔مکی مدنی ہونے کا علم عموما صحابہ وتابعین کے اقوال سے ہوتا ہے۔(کسی سورت کا مکی یا مدنی ہونا عموما اس کی آیات کی اکثریت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔بعض سورتیں پوری کی پوری مکی ہیں جیسے سورۂ مدثر۔اور بعض سورتیں پوری کی پوری مدنی ہیں جیسے سورہ آل عمران۔علوم القرآن :۶۱، حضرت مفتی تقی عثمانی، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط:۱۴۲۶ھ)

مکی اور مدنی سورتوں کے مضامین اور اُسلوب بیان میں بھی حسب مقتضی الحال فرق ہے۔ جیسے مثلا مکی سورتیں عموما مختصر ہیں اور مدنی سورتیں مفصل ہیں۔ مکی سورتوں میں زیادہ تر توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین ہیں اور مدنی سورتوں میں دیگر احکام۔ مکی سورتوں کا اُسلوب بیان زیادہ پرشکوہ ہے۔ ان میں استعارات، تشبیہات اور تمثیلات زیادہ ہیں، جبکہ مدنی سورتوں کا اُسلوب بیان نسبۃً سادہ ہے۔ مکی اور مدنی سورتوں کے استقراء سے ان کی بعض خصوصیات بھی ذکر کی گئی ہیں جن سے فوراً معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی۔ ان میں سے بعض خصوصیات کلی ہیں اور بعض اکثری۔ جیسے مثلاً ایک کلی خصوصیت یہ ہے کہ ہر وہ سورت جس میں **کلا** آیا ہے مکی ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید کے دوسرے نصف میں ۱۵ر سورتوں میں ۳۳ر بار آیا ہے۔ (مصدر سابق: ۶۲-۶۴ ملخصا)

۲: **معرفۃ الحضری والسفری** (اقامت اور سفر میں نازل ہونے والی آیتوں کی پہچان) : قرآن مجید کی اکثر آیات حالتِ اقامت میں نازل ہوئی ہیں۔ اور کچھ آیات حالت سفر میں۔ (علوم القرآن: ۶۴)۔ شیخ سیوطی نے سفری آیات کی ۴۴ر مثالیں ذکر کی ہیں۔ چنانچہ مثلاً **الیوم اکملت لکم دینکم** (المائدہ: ۳) آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا۔ (موضح قرآن: ۱۳۷، ۱۳۸) یہ آیت یوم عرفہ کی شام کو حجۃ الوداع کے سال نازل ہوئی۔

۳ - ۶: **معرفۃ النہاری واللیلی والصیفی والشتائی والفراشی والنومی والارضی والسماوی** (دن اور رات، گرمی اور سری، بستر پر اور نیند میں، زمین اور آسمان پر نازل ہونے والی آیات جاننا) : قرآن مجید کا اکثر حصہ دن کو نازل ہوا۔ رات میں نازل ہونے والی آیات میں سے مثلاً سورہ آل عمران کی آخری آیات **ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار لآیات لاولی الالباب**۔ (آل عمران: ۱۹۰ - ۲۰۰) آسمان اور زمین کا بنانا، اور رات اور دن کا بدلتے آنا، اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو۔ (موضح قرآن: ۹۶)۔ صیفی آیات کی مثال سورۂ نساء کی آخری آیت **یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکللۃ**۔ (النساء: ۱۷۶) حکم پوچھتے ہیں تجھ سے کلالہ کا۔ تو کہہ اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا۔ (موضح قرآن: ۱۳۶) شتائی آیات کی مثال سورہ احزاب کی غزوہ خندق کے بارے میں آیات ہیں، کیونکہ یہ غزوہ سردی میں ہوا تھا۔ فراشی آیت کی مثال **واللہ یعصمک من الناس** (المائدہ: ۶۷) اور اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے۔ (موضح قرآن: ۱۵۳) راجح قول کے مطابق نیند کی حالت میں آپ ﷺ پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ سمائی آیات کی مثال سورہ بقرہ کی آخری آیات جو شب معراج کو سدرۃ المنتہی کے قریب نازل ہوئیں۔

۸،۷ : **معرفة اول ما نزل و آخر ما نزل** (پہلی اور آخری نازل ہونے والی آیات) : راجح قول کے مطابق پہلی وحی سورہ علق کی پہلی پانچ آیتیں ہے۔ (اور آخری وحی راجح قول کے مطابق **واتقو یوما ترجعون فيه الى الله** (البقرہ:۲۸۱) ہے۔مناہل العرفان: ۱/۱۰۰) اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف۔ (موضح فرقان: ص۶۰)

۹ : **معرفة سبب النزول** : (سبب نزول رشان نزول کی پہچان) : قرآن مجید کی آیتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو اللہ تعالی نے از خود نازل فرمائیں، کوئی خاص واقعہ ان کے نزول کا سبب نہیں بنا۔ دوسری قسم وہ جو کسی خاص واقعے یا کسی کے سوال کے جواب میں نازل ہوئیں۔ یہ خاص پس منظر مفسرین کی اصطلاح میں سبب نزول یا شان نزول کہلاتا ہے۔ سبب نزول جاننا تفسیر کے لیے ایک لازمی شرط ہے اور اس کے بغیر آیت کا صحیح مفہوم سمجھا نہیں جا سکتا۔ جیسے مثلاً اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **ليس على الذين آمنوا وعملوا الصالحات جناح فيما طعموا اذا ما اتقوا و آمنو** (المائدہ:۹۳)۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں ان پر اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جب کہ وہ لوگ اللہ سے ڈرتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں۔ اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کے لیے کسی بھی چیز کا کھانا پینا حرام نہیں، اگر دل میں ایمان اور خدا کا خوف ہو اور عمل نیک ہوں تو انسان جو چاہے کھا پی سکتا ہے۔ لیکن در حقیقت اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب خمر اور قمار کی حرمت کا حکم نازل ہوا، تو بعض صحابہ نے سوال کیا کہ جو مسلمان اپنی زندگی میں شراب نوشی اور قمار بازی کے مرتکب ہوئے، اور حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا، ان کا کیا انجام ہوگا؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ان پر کوئی عذاب نہیں بشرطیکہ وہ دیگر احکام کے پابند رہے ہوں۔

کتب تفسیر میں ایک ایک آیت کے تحت بہت سی روایات مذکور ہوتی ہیں۔ وہ ساری اسباب نزول سے متعلق نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان میں درج ذیل چیزیں بھی شامل ہو جاتی ہیں:

۱: کسی علمی مباحثے میں کسی صحابی نے وہ آیت دلیل کے طور پر پیش کی ہو، اس کا ذکر کرنا۔ ۲: رسول اللہ ﷺ کے کسی موقع پر اس آیت سے استشہاد کرنے کا ذکر کرنا۔ ۳: جو بات کسی آیت میں مذکور ہو بعض دفعہ وہی بات کسی حدیث میں بھی آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہوتی ہے، تفسیر کی کتابوں میں وہ حدیث بھی اس آیت کے تحت ذکر کر دی جاتی ہے۔ ۴: آیت کا مقام نزول ذکر کرنا۔ ۵: آیت میں کسی مبہم شخص کا نام بتانا۔ ۶: کسی آیت کا صحیح تلفظ ذکر کرنا۔ ۷: آیتوں اور سورتوں کے فضائل ذکر کرنا۔ ۸: آیت پر رسول اللہ ﷺ کے عمل کی کیفیت کا ذکر کرنا۔ (علوم القرآن: ۲: ۷ - ۸۱ ملخصا)

سبب نزول اور حکم کا عموم و خصوص: اس میں کل ۴ رصورتیں ہوتی ہیں: ۱: آیت میں نام لے کر شخص کو معین کر دیا گیا ہو۔ اِس صورت میں بالاتفاق وہ حکم اسی معین شخص سے متعلق ہوتا ہے، دوسروں سے اس کا تعلق نہیں ہوتا۔ جیسے **تبت یدا ابی لھب وتب** . (اللھب:۱) ٹوٹ گئے ہاتھ ابولہب کے، اور ٹوٹ گیا وہ آپ۔ (موضح قرآن: ۷۸۷، ت: مولانا اخلاق حسین دہلوی، ایچ ایم سعید، کراچی، سنہ ندارد)۔ ۲: آیت میں کسی کا نام مذکور نہ ہو، لیکن آیت کے الفاظ یا کسی دوسری دلیل سے ثابت ہو کہ اِس کا تعلق فلاں معین شخص سے ہے۔ اِس میں بھی بالاتفاق حکم اُسی خاص شخص سے متعلق ہوگا۔ دوسروں سے اس کا تعلق نہ ہوگا۔ جیسے **وسیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکی**. (اللیل: ۱۷، ۱۸) اور بچا دیں گے اس سے بڑے ڈرنے والے کو۔ جو دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو۔ (موضح فرقان: ۷۹۴)۔ یہاں روایات حدیث سے ثابت ہے کہ اتقی سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ امام رازی نے اس آیت سے یہ دلیل لی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں، کیونکہ دوسری آیت میں ارشاد ہے: **ان اکرمکم عند اللہ اتقکم**. (الحجرات: ۱۳) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ (بیان القرآن: ۱۹۴/۳)۔ اور پہلی آیت میں حضرت ابوبکر صدیق کو اتقی کہا گیا ہے۔

۳: کسی خاص واقعے کے بارے میں حکم نازل ہو، لیکن حکم کے عموم پر کوئی دلیل پائی گئی، خواہ آیت کے الفاظ سے یا کسی اور دلیل سے، تو یہاں بالاتفاق حکم عام ہوگا۔ جیسے ظہار کا حکم حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوا، لیکن آیت کے الفاظ کے عموم کی وجہ سے بالاتفاق حکم عام ہے۔ ۴: کسی خاص واقعے کے بارے میں حکم نازل ہو، الفاظ عام ہوں، لیکن کسی دلیل سے صراحتا ثابت نہ ہو کہ حکم میں عموم ہے یا خصوص؟ اس صورت میں کسی قدر اختلاف ہے، لیکن جمہور علماء کے ہاں حکم عام ہی سمجھا جائے گا۔ اُصولیین اور مفسرین کے ہاں اس موقعے پر یہ قاعدہ ہے: **العبرۃ لعموم اللفظ ، لا لخصوص السبب**. اس کی مثال یہ آیت ہے: **وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ** (بقرہ: ۲۸۰) اور اگر ایک شخص ہے تنگی والا، تو فرصت دینی چاہیے جب تک کشائش پاوے۔ (موضح قرآن: ص ۶۰) بنومغیرہ نے بنوعمرو سے قرض کی ادائیگی کی مہلت مانگی تھی، بنوعمرو نے انکار کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جمہور علماء کے ہاں یہ حکم عام ہے۔ (علوم القرآن: ۸۲ - ۸۶ ملخصا)

اسباب نزول کی روایات میں اختلاف کا حل: اسباب نزول کی روایات کا اختلاف، تفسیر کے مشکل مقامات میں سے ایک ہے۔ ایک ہی آیت کے سبب نزول میں کئی کئی مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ اور جو شخص اُصول تفسیر سے واقف نہ ہو وہ اس سے طرح طرح کے شبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس تعارض کے

حل کے لیے مفسرین اور اصولیین کے بیان کیے ہوئے قواعد کا خلاصہ یہ ہے :

ا: رفع تعارض کے لیے اگر ایک روایت میں کوئی وجہ ترجیح پائی جائے تو اسے دوسری پر راجح قرار دے کر اختیار کر لیا جاتا ہے۔ جیسے ایک روایت صحیح ہو دوسری ضعیف ہو تو صحیح کو ترجیح ہوگی۔ دونوں روایتیں صحیح ہوں لیکن ایک کی سنداً قوی ہو، یا ایک کا راوی واقعے کے وقت خود موجود تھا، تو اس روایت کو ترجیح ہوگی۔ صحابہ اور تابعین کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی آیت کی تفسیر میں یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں: **نزلت الآیة فی کذا** (یہ آیت فلاں مسئلے کے بارے میں نازل ہوئی)۔ ان الفاظ سے کبھی تو سبب نزول کا بیان کرنا مطلوب ہوتا ہے، اور کبھی یہ مطلوب ہوتا ہے کہ فلاں مسئلہ اس آیت کے حکم کے تحت داخل ہے، اگرچہ وہ اس کا سبب نزول نہیں۔ لہٰذا یہ الفاظ سبب نزول کے بیان میں نص نہیں۔ لہٰذا اگر ایک روایت میں یہ الفاظ ہوں اور دوسری روایت میں صراحتاً کسی اور واقعے کو آیت کا سبب نزول قرار دیا گیا ہو، تو دوسری روایت راجح ہوگی اور پہلی روایت کو راوی کا اجتہاد و استنباط سمجھا جائے گا۔ اور اگر دونوں روایتوں میں **نزلت الآیة فی کذا** کے الفاظ ہوں اور الگ الگ واقعات مذکور ہوں تو دونوں میں شان نزول کا بیان نہیں ہوتا، بلکہ آیت کے دو الگ الگ مصداق کا بیان ہوتا ہے۔ ۲: بعض دفعہ ایک آیت کے اسباب نزول متعدد ہوتے ہیں، جن کا ذکر روایات میں الگ الگ ہوتا ہے۔ ۳: بعض دفعہ ایک سبب نزول سے کئی آیات نازل ہوتی ہیں، جن کا ذکر الگ الگ روایات میں ہوتا ہے۔ ۴: بعض دفعہ ایک آیت متعدد دفعہ نازل ہوتی ہے۔ ہر دفعہ اس کا نزول کسی نئے واقعے کے پس منظر میں ہوتا ہے، جن کا ذکر الگ الگ روایات میں ہوتا ہے۔ (علوم القرآن: ۸۶-۹۵ ملخصاً)

سیوطی رحمہ اللہ نے اسے **ما تکرر نزوله** کے عنوان سے الگ نوع کے طور پر بھی ذکر کیا ہے۔

۱۰ : **ما نزل علی لسان بعض الصحابة** : (جو آیتیں کسی صحابی کے قول پر نازل ہوئیں) : یہ نوع درحقیقت سبب نزول کی ایک قسم ہے۔ اور اس کی اصل موافقات عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالی نے عمر کی زبان اور دل پر حق کو رکھا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو جب کوئی واقعہ پیش آیا اور انھوں نے کوئی بات کی، اور عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی اور بات کی، تو قرآن مجید ہمیشہ عمر کی تائید میں اترا۔ (سنن ترمذی: ۳۶۸۲ ر ابراہیم عطوۃ، حسن صحیح غریب من ہذا الوجہ)

۱۱ : **ما تاخر حکمه عن نزوله وما تاخر نزوله عن حکمه** : (جس آیت کا نزول پہلے اور حکم بعد میں ہوا، اور جس آیت کا حکم پہلے اور نزول بعد میں ہوا) : مثال کے طور پر **لا اقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد** (البلد: ۱،۲) میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔ اور آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے۔ (بیان القرآن: ۳ر۱۲۶۷)۔ یہ سورت مکی ہے، جب کہ حلت کا اثر فتح مکہ کے دن سامنے آیا۔ آیت

وضو (المائدہ:٦) مدنی ہے جب کہ وضو کا حکم مکہ مکرمہ میں نماز کے ساتھ ہی آ چکا تھا۔

۱۲: **ما نزل مفرقا وما نزل جمعا** : (جو آیتیں جدا جدا اتریں اور جو اکٹھی اتریں) :سورہ فاتحہ، اخلاص، کوثر، تبت، نصر وغیرہ یہ پوری پوری سورت اکٹھی اتری ہے۔لمبی سورتوں میں سورہ انعام پوری اکٹھی نازل ہوئی ہے۔

۱۳: **ما نزل مشیعا ومانزل مفردا** : (جن آیتوں کے ساتھ حضرت جبرائیل کے ساتھ دیگر فرشتے بھی نازل ہوئے اور جو آیتیں صرف حضرت جبرائیل لے کر آئے) :جیسے مثلا سورۂ اَنعام کے ساتھ ۷۰،۰۰۰ر فرشتے نازل ہوئے تھے۔

۱٤: **ما نزل علی بعض الانبیاء وما لم ینزل** : (جو آیتیں پہلے بھی کسی نبی پر نازل ہوئی ہیں، اور جو آیتیں صرف ہمارے نبی ﷺ پر ہی نازل ہوئی ہیں) :سورہ فاتحہ، آیت الکرسی، سورہ بقرہ کی آخری آیتیں وغیرہ صرف ہمارے پیغمبر ﷺ پر ہی نازل ہوئی ہیں۔

۱۵: **کیفیة انزاله** : (قرآن مجید نازل کیے جانے کی کیفیت) :۱:قرآن مجید کے دو نزول ہیں۔پہلا لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں بیت العزت میں اکٹھا نازل ہونا۔یہ رمضان کی ایک رات لیلۃ القدر میں ہوا۔ دوسرا نزول بیت العزت سے آپ ﷺ کے قلب مبارک پر تھوڑا تھوڑا کر کے تقریبا ۲۳ر سال میں۔ ۲:آپ ﷺ پر حسب موقع قرآن مجید کی آیات کم وبیش نازل ہوتی تھیں۔بعض دفعہ آیت کا کچھ حصہ بھی نازل ہوا ہے۔جیسے مثلا **غیر اولی الضرر** (النساء:۹۵) اکیلا نازل ہوا۔جن کو بدن کا نقصان نہیں۔ (موضح قرآن:۱۳۰)

۳:وحی نازل ہونے کے طریقے:۱:صلصلة الجرس: گھنٹیاں بجنے جیسے آواز میں وحی نازل ہونا۔یہ طریقہ آپ ﷺ پر سب طریقوں سے زیادہ بھاری تھا۔۲:فرشتے کا انسانی شکل میں آکر پیغام پہنچانا۔حضرت جبرائیل علیہ السلام عموماً حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں تشریف لایا کرتے تھے۔اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ اپنے وقت میں صحابہ میں حسین ترین انسان تھے، حتی کہ اپنا چہرہ لپیٹ کر چلا کرتے تھے۔۳:فرشتے کا اصلی شکل میں آنا۔۴:سچا خواب۔۵:اللہ تعالی کا براہ راست کلام فرمانا۔٦:فرشتے کا سامنے آئے بغیر آپ ﷺ کے دل مبارک میں کوئی بات ڈالنا۔علوم القرآن:۳۳ - ۳۹ملخصاً)

۴:سبعہ اَحرف کی مراد: قرآن مجید ۷ر حروف پر نازل ہوا ہے۔سبعہ اَحرف کی مراد میں تقریباً ۴۰ر اَقوال ہیں۔یہ مقام علوم القرآن کے مشکل ترین مباحث میں سے ہے۔اور اس بارے میں راجح ترین قول یہ ہے کہ سبعہ احرف سے اختلاف قراءات کی ۷ر نوعیتیں مراد ہے۔پھر ان نوعیّتوں کی تعیین میں قدرے

اختلاف ہے ۔اس بارے میں سب سے زیادہ جامع استقراء امام ابوالفضل (عبدالرحمٰن بن احمد) رازی (م ۴۵۴ھ) کا ہے۔ یہ فرماتے ہیں کہ قراءات کا اختلاف سات قسموں میں بند ہے: ۱: اسماء کا اختلاف۔ یعنی افراد، تثنیہ، جمع، تذکیر و تانیث کا اختلاف ۔۲: افعال کا اختلاف کہ کسی قراءت میں ماضی ہو، کسی میں مضارع ، کسی میں امر۔۳: وجوہ اعراب کا اختلاف: یعنی اعراب وحرکات مختلف قراءتوں میں مختلف ہوں ۔۴: الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف ۔۵: الفاظ کی تقدیم وتاخیر کا اختلاف ۔۶: بدلیت کا اختلاف یعنی ایک قراءت میں ایک لفظ ہے اور دوسری میں اس کی جگہ دوسرا لفظ۔۷: لہجوں کا اختلاف۔یعنی تفخیم ،ترقیق، امالہ، مد، اظہار، اِدغام وغیرہ کے اختلافات ۔(علوم القرآن: ۹۷ - ۱۱۱ ملخصا)۔سبع قراءات اور سبعہ احرف میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔(العرف الشذی: ۴/ ۲۷۳ ملخصاً)

۱۶: **اسماءہ واسماء سورہ :** (قرآن مجید اور اس کی سورتوں کے نام) : قرآن مجید کے اسمائے علم ۵/ ہیں۔ القرآن، الفرقان، الذکر، الکتاب، التنزیل ۔اور اگر صفات کو نام قرار دیا جائے تو تعداد نوے سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے ۔(علوم القرآن :۲۳ ملخصاً) جاحظ کے بقول اللہ تعالی نے اپنی کتاب کے کل اور اجزاء کے نام اہل عرب کے اپنے کلام کے ناموں سے بالکل مختلف رکھے ہیں ۔وہ دیوان، قصیدہ، بیت اور قافیہ کہتے تھے۔ اور اللہ تعالی نے قرآن، سورت، آیت، اور فاصلہ فرمایا۔ بہت سی سورتوں کا ایک ہی نام ہے۔ اور کچھ سورتوں کے دو یا زیادہ نام بھی ہیں۔ جیسے مثلاً سورۂ فاتحہ کے ۲۰/ سے زیادہ نام ہیں۔ سورۂ فاتحہ کا ایک نام قرآن عظیم بھی ہے ۔کیونکہ یہ پورے قرآن کے مضامین پر مشتمل ہے ۔(یعنی پورے قرآن مجید کے مضامین سورت فاتحہ میں اِجمالاً مذکور ہیں۔ اس طرح سورہ فاتحہ گویا پورے قرآن کا خلاصہ ہے۔ اس کی تفصیل نوع ۵۶، ۵۷/ میں آئے گی اِن شاءاللہ)۔ اور جیسے سورہ اخلاص کو اساس بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ توحید پر مشتمل ہے جو کہ دین کی اساس ہے۔ اور جیسے سورت فلق اور ناس کو معوذتان بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان میں مصیبتوں سے حفاظت کا مضمون ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مجھے تورات کی جگہ سبع طوال ملی ہیں۔ زبور کی جگہ مئین ملی ہیں۔ انجیل کی جگہ مثانی ملی ہیں۔ اور مفصل کے ذریعے مجھے مزید فضیلت ملی ہے۔

(مسند احمد: ۱۶۹۸۲/ قال محققوا المسند : اسنادہ حسن)

۱۷: **جمعہ وترتیبہ :** (قرآن مجید کا جمع اور ترتیب): قرآن مجید کی ترتیب نزول اور ترتیب تلاوت الگ الگ ہے۔ ترتیب تلاوت میں سب آیات کی ترتیب بالاجماع توقیفی (وحی سے) ہے۔ اور (صحیح قول کے مطابق سب سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی (وحی سے) ہے۔ روح المعانی: ۱/ ۲۷، ۲۸ ملخصاً) آیات وسور کی

ترتیب اصلی قرار دینے کے لیے ہر رمضان میں جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ سے دور کرتے تھے، اور اخیر رمضان میں دو بار دور کیا تا کہ نزول کی تقدیم وتاخیر کو درست کر کے ہر چیز کو اس کے اصلی موقع پر قائم کر دیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا کیا اور لوح محفوظ کے مطابق قرآن کو کر دیا۔ اس لیے تمام اہل اسلام میں اسی ترتیب سے قرآن اَب تک موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ (تفسیر حقانی: ۱/۷۰)

(قرآن مجید کے جمع وترتیب کے ۳/ مرحلے ہیں: ۱: نبی اکرم ﷺ کا زمانہ۔ ۲: حضرت ابوبکر صدیق کا زمانہ۔ ۳: حضرت عثمان غنی کا زمانہ۔

۱: عہد نبوی: شروع میں حفاظت قرآن کا اصل مدار اگر چہ حافظہ پر تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کی کتابت کا بھی خاص اہتمام فرمایا۔ کتابت وحی کے لیے آپ ﷺ نے بہت سے صحابہ کرام کو مقرر فرمایا ہوا تھا، جو حسب ضرورت یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔ کاتبین وحی کی تعداد: ۴۰/ تک شمار کی گئی ہے۔ ان میں خلفائے اربعہ، عبداللہ بن ابی سرح، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ، معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب قرآن مجید کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کاتب وحی کو یہ ہدایت بھی فرمادیتے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے۔ چنانچہ اس طرح لکھ لیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں چونکہ عرب میں کاغذ کمیاب تھا، اس لیے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، اور چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں، اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں، البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کیے گئے ہیں۔

اس طرح عہد رسالت میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو آنحضرت ﷺ نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اگر چہ وہ کتابی شکل میں نہ تھا، بلکہ متفرق پارچوں کی شکل میں تھا۔ اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرام بھی اپنی یادداشت کے لیے قرآن کریم کی آیات اپنے پاس لکھ لیتے۔ اور اس طرح ان حضرات نے اپنے پاس انفرادی طور پر بھی قرآن کریم کے مکمل یا نامکمل نسخے لکھ رکھے تھے۔

۲: عہد صدیقی: حضرت ابوبکر صدیق کے زمانے میں جنگ یمامہ میں قرآن مجید کے حافظوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی، تو ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن مجید کے مختلف حصوں کو اکٹھا کر کے محفوظ کیا جائے۔ حضرت زید بن ثابت جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کاتب وحی رہے ہیں اور خود بھی حافظ قرآن تھے، انھیں حضرت ابوبکر صدیق نے اس کام پر مامور فرمایا۔ اعلان عام کر دیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن مجید کی کوئی آیت لکھی ہوئی موجود ہوں وہ حضرت زید بن ثابت کے پاس لے آئے۔ جب کوئی شخص ان کے

پاس قرآن کریم کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا تو وہ درج ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے:
ا: اپنی یادداشت سے۔۲: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حافظے سے۔ حضرت ابوبکر نے انھیں حضرت زید کے ساتھ لگا دیا تھا۔۳: دو قابل اعتماد گواہوں کی گواہی سے کہ یہ آیت آپ ﷺ پر وفات کے سال پیش کی گئی اور آپ نے تصدیق فرما دی کہ یہ حروف سبعہ کے مطابق ہے جن پر قرآن کریم نازل ہوا ہے۔۴: صحابہ کے پاس لکھے ہوئے تحریری مجموعوں سے مقابلہ۔ اس طرح ہر آیت کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی شہادتوں کے بعد ہی اسے صحیفے میں درج کرتے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس زبردست احتیاط کے ساتھ آیات قرآنی کو جمع کر کے انھیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا۔ لیکن ہر سورت علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی، اس لیے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا۔ اصطلاح میں اس نسخے کو ''اُم'' کہا جاتا ہے۔ اس کی درج ذیل خصوصیات تھیں:

ا: آیات مرتب تھیں، سورتیں مرتب نہ تھیں، بلکہ الگ الگ صحیفے میں لکھی ہوئی تھیں۔۲: ساتوں حروف اس میں جمع تھے۔۳: یہ نسخہ خط حیری میں لکھا گیا تھا۔۴: اس میں صرف وہ آیتیں لکھی گئی تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔۵: اس کا مقصد امت کی اجماعی تصدیق سے ایک ایسا نسخہ تیار کرنا تھا جس کی طرف ضرورت پڑنے پر رجوع کیا جا سکے۔

۳: عہد عثمانی: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام بلاد عرب سے نکل کر عجم کے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا۔ مختلف صحابہ کرام نے آں حضرت ﷺ سے قرآن مجید مختلف قراءتوں میں سیکھا تھا اور وہ اپنے شاگردوں کو اسی قراءت کے مطابق قرآن مجید پڑھاتے تھے۔ اس طرح قراءتوں کا یہ اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا۔ اور ان میں یہ بات پوری طرح مشہور نہ ہو سکی کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے، تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے۔ بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے۔ ان حالات میں حضرت عثمان غنی نے حضرت حفصہ سے وہ نسخہ منگوایا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تیار ہوا تھا۔ اور حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم چار حضرات پر مشتمل ایک جماعت بنائی، اور بعد میں دوسرے کچھ حضرات کو بھی ساتھ ملا کر بارہ حضرات نے کام کیا۔ مصحف عثمانی کی درج ذیل خصوصیات ہیں:

ا: مصحف عثمانی میں سب سورتوں کو مرتب کر کے ایک ہی صحیفے میں لکھا گیا۔۲: آیات کا رسم الخط ایسا رکھا گیا کہ اس میں تمام متواتر قراءتیں سما جائیں۔ اسی لیے ان پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات۔۳: نئے مرتب شدہ ۵/ یا ۷/ مصحف تیار کرا کے مختلف شہروں میں بھجوائے گئے اور سب کو ان کے مطابق تلاوت کا حکم

فرمایا۔اس کے بعد اجماع امت ہے کہ قرآن مجید کو رسم عثمانی کے خلاف کسی اور طریقے سے لکھنا جائز نہیں۔
(علوم القرآن: ۳۲-۱۷۲-۱۹۳ ملخصاً)

تسہیل تلاوت کے اقدامات: عہد عثمانی میں قرآن مجید کی تدوین کے بعد تلاوت کو آسان کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے گئے۔۱: نقطے اور حرکات لگائی گئیں۔۲: احزاب یا منازل کے نشانات لگائے گئے۔ایک ہفتے میں تلاوت مکمل کرنے کے لیے سات احزاب پر تقسیم کیا گیا۔۳: اخماس اور اعشار کی علامتیں لگائی گئیں۔یعنی ہر پانچ یا دس آیتوں کے بعد حاشیے پر خمس یا خ اور عشر یا ع کا نشان بنایا گیا۔۴: رکوع کی علامات لگائی گئیں۔نماز کی ایک رکعت میں تلاوت کی مقدار معین کرنے کے لیے یہ نشان بنایا گیا ۔۵: رموز اوقاف لگائے گئے۔(علوم القرآن: ۱۹۳-۲۰۱ ملخصا) رکوع کی علامت کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:
مصطلح الركوع في المصاحف : مدلوله ونشاته واقوال العلماء فيه : د. عبد القيوم بن عبد الغفور السندي.

۱۸: عدد سوره و آیاته و کلماته وحروفه : (قرآن مجید کی سورتوں، آیات، کلمات اور حروف کی تعداد) : قرآن مجید کی سورتوں کی تعداد ۱۱۴ رہے بالا جماع۔کلام کے آیت ہونے کا علم توقیفی ہے، اس میں قیاس کو دخل نہیں۔آیات کی تعداد میں سلف کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ آیت بتانے کے لیے رؤس آیات پر (آیتوں کے اختتام پر) وقف فرماتے تھے۔جب محل معلوم ہوگیا تو آپ وصل فرمانے لگے۔ اسے سن کر کوئی یہ سمجھنے لگا کہ یہاں فاصلہ (آیت کا اختتام) نہیں۔اس وجہ سے روایات وقف میں اختلاف کی بنا پر آیتوں کی تعداد میں اختلاف ہوگیا۔امام قراءت ابوسعید قرطبی دانی (م ۴۴۴ھ) فرماتے ہیں: قرآن مجید کی آیات کی تعداد ۶۰۰۰ رہونے پر تو اتفاق ہے۔اور اس سے زائد کتنی ہیں؟ ان میں اختلاف ہے۔بعض کہتے ہیں اتنی ہی ہیں۔دوسرا قول ۲۰۴ رہے۔تیسرا قول ۱۴ رکا ہے۔چوتھا قول ۱۹ رکا ہے۔پانچواں قول ۲۵ رکا ہے۔چھٹا قول ۳۶ رکا ہے۔اہل مدینہ، مکہ، شام، بصرہ، کوفہ ان سب حضرات قراء کی اپنی اپنی شمار کی ہوئی تعداد ہے۔

قرآن مجید کے کلمات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ایک قول ۷۷،۹۳۴ رکلمات کا ہے۔اور اقوال بھی ہیں۔اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ کلمہ کے حقیقی اور مجازی معنی، نیز لفظ اور رسم کے لحاظ سے متعدد اعتبارات ہیں۔ہر اعتبار سے کلمات کو شمار کیا گیا ہے۔حروف کی تعداد میں بھی کلمات کی طرح اختلاف ہے۔ایک قول ۳،۲۳،۶۷۱ رحروف کا ہے۔(اور اس اختلاف کی وجہ بھی شمار کے طریقوں کا اختلاف ہے)

قرآن مجید کو سورتوں میں تقسیم کرنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ ہر سورت کا ایک الگ معجزہ ہونا، اور

اللہ تعالی کی نشانی ہونا معلوم ہو۔ نیز یہ پتہ چلے کہ ہر سورت ایک مستقل ہدایت اور الگ مضمون کی شان رکھتی ہے، جیسے سورہ یوسف ایک خاص واقعے سے متعلق ہے۔ سورۂ توبہ منافقوں کے حالات بتاتی ہے وغیرہ۔ اس کی نظیر مصنفین کی لکھی ہوئی کتابوں میں ابواب اور ان کے عنوانات ہیں۔

۱۹ : **معرفة حفاظه ورواياته :** (قرآن کریم کے حافظوں اور روایتوں کی پہچان) : صحابہ کرام میں ۷/حضرات قرآن مجید پڑھانے میں مشہور ہیں: عثمان، علی، ابی، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، ابوالدرداء، ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہم۔ ان حضرات کے سلسلہ تلامذہ میں سے ۷/قراء بہت مشہور ہوئے۔ ابن کثیر، نافع، ابن عامر، ابوعمرو، حمزہ، عاصم، کسائی۔ انھیں قرائے سبعہ اور ان کی قراءات کو قراءات سبعہ کہتے ہیں۔ ان قراء سبعہ میں سے ہر ایک قاری کے دو دو شاگرد زیادہ مشہور ہوئے۔ ان کے ساتھ تین اور قراء (ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن قعقاع) کو ملا کر ان کی قراءات کو قراءات عشرہ کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے ان دس کے ساتھ چار اور قراء کی قراءتیں ملا کر چودہ قراءتیں ذکر کی ہیں۔

(علوم القرآن: ۲۰۳ - ۲۰۶، الاتقان: ص ۱۵۹، ۱۶۰ ملخصا)

۲۰ : **معرفة العالي والنازل من اسانيده** : (قرآن مجید کی عالی اور نازل سندوں کی پہچان): سیوطی رحمہ اللہ نے قراءات میں علو اور نزول کی قسمیں حدیث کی سند میں علو اور نزول کے مطابق ذکر کی ہیں۔

۲۱ - ۲۶ : **معرفة المتواتر والمشهور والآحاد والشاذ والموضوع والمدرج :** (قراءات کی قسموں متواتر، مشہور، آحاد، شاذ، موضوع، مدرج کی پہچان) : ابن جزری (محمد بن محمد دمشقی ۷۵۱ - ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں: جو بھی قراءت عربیت کے موافق ہو، اگر چہ ایک وجہ سے ہو، اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی مصحف کے موافق ہو، اگر چہ احتمالا ہو، اور اس کی سند صحیح ہو تو اس قراءت کو قبول کرنا لازم ہے، اور یہ احرف سبعہ میں شامل ہے۔ چاہے قرائے سبعہ سے ہو یا ان کے علاوہ دیگر ائمہ مقبولین سے ہو۔ اور جب ان تین ارکان میں سے کوئی رکن نہیں پایا جائے گا تو وہ ضعیف یا شاذ یا باطل قراءت ہے، چاہے قرائے سبعہ سے ہو یا ان سے بڑوں سے۔ ائمہ سلف اور خلف کے نزدیک یہی قول درست ہے۔ اور اس میں سلف سے کوئی خلاف منقول نہیں۔ متواتر: جس قراءت کے ناقلین اس حد تک پہنچے ہوں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو۔ مشہور: جس قراءت کی سند صحیح ہو، اور حد تواتر تک نہ پہنچے اور وہ عربیت اور رسم کے موافق ہو۔ آحاد: جس کی سند صحیح ہو اور رسم یا عربیت کے مخالف ہو اور مشہور نہ ہو۔ شاذ و موضوع: ان کی سند صحیح نہیں ہوتی۔

مدرج: قراءات میں تفسیر کے طور پر ہونے والا اضافہ۔

اس میں کوئی خلاف نہیں کہ جو کچھ قرآن میں سے ہے وہ متواتر ہی ہے، اپنی اصل اور اجزاء دونوں

لحاظ سے۔اور محققین اہل سنت کے ہاں اپنے محل، وضع اور ترتیب میں بھی متواتر ہے۔(قراءات متواترہ ہی قرآن مجید کا مصداق ہیں۔اور قراءات متواترہ قطعی الثبوت ہیں۔اور مشہور اور آحاد قراءاتیں حدیث کے حکم میں ہیں۔اصول فقہ: ۱۳۰، ۱۴۱ ملخصا، مولانا محمد اسماعیل دہلوی شہید)

۲۷ : **معرفة الوقف والابتداء :** (وقف اور ابتداء کی پہچان) : قرآن مجید کے معانی اور احکام سمجھنا وقف کی پہچان کے بغیر نہیں ہوسکتا۔وقف کی انواع کے بارے میں ائمہ کی اصطلاحات جدا جدا ہیں۔مثلاً بعض کے ہاں تام، حسن اور قبیح ہیں۔بعض کے ہاں تام مختار، کافی جائز، حسن مفہوم، اور قبیح متروک ہیں۔ سجاوندی کے ہاں لازم، مطلق، جائز، مجوز، مرخص ہیں۔(آیات کے اختتام پر وقف توقیفی (سماعی) ہے۔ اور اس کے علاوہ دیگر مقامات پر وقف اجتہادی اور ذوقی ہے۔اختتام آیات پر وقف میں اختلاف کی وجہ روایات کا اختلاف ہے۔وقف لازم میں لزوم بمعنی وجوب یا فرضیت نہیں، بلکہ بمعنی استحسان موکد ہے۔اسی طرح وقف قبیح بمعنی لزوم کفر یا معصیت نہیں، بلکہ عدم استحسان ہے۔امداد الفتاوی: ۱/۱۹۷ ملخصا) وقف کی جگہ سانس توڑے بغیر صرف حرف کو ساکن پڑھ کر آگے پڑھنے لگنا، جیسے اکثر حفاظ کی عادت ہے، یہ شرعا جائز ہے، یعنی گناہ نہیں، لیکن عربیت وفن قراءت کے خلاف ہے۔(امداد الفتاوی: ۱/۲۰۲ ملخصاً)

مصاحف پر لگے ہوئے رموز اوقاف میں سے اکثر رموز سب سے پہلے ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندی (م ۵۶۰ھ) نے وضع فرمائے۔(آسان ترجمہ قرآن: مقدمہ: ص ۳۱ بحوالہ النشر فی القراءات العشر: ۱/۲۲۵) عربی کلام میں وقف کے کئی طریقے ہیں۔ان میں سے ۹ / طریقے ائمہ قراءات کے ہاں استعمال ہوتے ہیں۔سکون، روم، اشمام، ابدال، نقل، ادغام، حذف، اثبات اور الحاق۔وقف کے بارے میں ایک اہم باب وہ مقامات ہیں جو لفظاً ماقبل کے ساتھ موصول ہیں، لیکن معنی مفصول ہیں۔سیوطی رحمہ اللہ نے اسے ایک مستقل نوع کے طور پر ذکر کیا ہے : **النوع التاسع والعشرون فی بیان الموصول لفظا المفصول معنی.**

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے: **رفع الخلاف فی حکم الاوقاف** اس میں قرآن مجید کے اوقاف کے بارے میں قراء کے باہمی اختلاف کی توجیہ وتطبیق ہے۔وقف کے موضوع پر اُردو میں مولانا قاری محبّ الدین احمد لکھنوی کے دو رسالے مطبوع ہیں: جامع الوقف ومعرفۃ الوقوف۔

۲۸ : **الامالة والفتح ومابینهما :** (امالہ اور فتح اور ان کی تفصیلات) : امالہ اور فتح دونوں مشہور لغتیں ہیں جو فصیح اہل لسان کے ہاں شائع ہیں۔فتح اہل حجاز کی لغت ہے اور امالہ عام اہل نجد کی لغت ہے۔امالہ کے معنی ہیں فتحہ کو کسرہ کی طرف، اور الف کو یاء کی طرف جھکا کر پڑھنا۔اور فتح کے معنی ہیں قاری کا حرف ادا کرتے

ہوئے اپنا منہ کھول دینا۔

۲۹ - ۳۱ : الادغام والاظہار والاخفاء والاقلاب والمد والقصر وتخفیف الھمز : (ادغام ،اظہار،اخفاء،اقلاب ،مد،قصراور ہمزے کی تخفیف) : ادغام کے معنی ہیں حرف کو مشدد پڑھنا۔ اظہار، اخفاء اور اقلاب نون ساکن کی ادائیگی کے خاص طریقے ہیں۔مد کے معنی ہیں الف ،واو اور یا کو ادا کرتے ہوئے آواز کو لمبا کرنا اور قصر اس کا متضاد ہے۔ہمزہ بولنے میں چونکہ سب سے زیادہ ثقیل ہے،لہٰذا اہل عرب اس میں کئی قسم کی تخفیف کرتے ہیں۔اور قریش اور اہل حجاز سب سے زیادہ تخفیف کرتے ہیں۔

۳۲ : کیفیة تحملہ : (قرآن مجید استاذ سے لینے کی کیفیت) :حفظ قرآن فرض کفایہ ہے،اور تعلیم قرآن بھی فرض کفایہ ہے۔استاذ سے قرآن مجید لینے کے دو طریقے ہیں۔استاذ سے سننا،استاذ کو سنانا۔قرآن مجید پڑھنے کی ۳/کیفیتیں ہیں۔تحقیق ،حدر اور تدویر۔اور قرآن مجید کو تجوید سے پڑھنا لازم ہے۔سلف کا عمل یہ تھا کہ قرآن مجید کی تلاوت ایک ہی روایت میں مکمل کرتے تھے۔اس روایت کے ساتھ دوسری روایت نہیں ملاتے تھے۔پانچویں صدی ہجری میں ایک ختم میں مختلف قراءات جمع کرنے کا طریقہ بنا۔اور اس کی اجازت صرف اسے دی جاتی تھی جو الگ الگ قراءات اور ان کے طرق میں مہارت حاصل کر چکا ہو،اور ہر قاری کی قراءات کے مطابق الگ ختم کر چکا ہو۔

۳۳ : آداب تلاوتہ وتالیہ : (تلاوت اور تلاوت کرنے والے کے آداب) :تلاوت کے آداب بہت ہیں،لیکن درج ذیل طریقے میں سب آجاتے ہیں:۱:جب تلاوت کا ارادہ ہو تو وضو کر کے قبلہ رو ہو کر بیٹھے، ورنہ جیسے موقع ہو خشوع کے ساتھ بیٹھے۔۲: یہ تصور کرے کہ اللہ تعالی نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ ہمیں پڑھ کر سناؤ۔۳: یہ تصور کرے کہ اگر کوئی مخلوق مجھ سے ایسی فرمائشیں کرتی تو میں کیسا پڑھتا؟ تو خدا تعالی کی فرمائشیں تو زیادہ رعایت چاہیے۔اس کے بعد تلاوت شروع کرے۔(اصلاح انقلاب امت:۱/۵۲،۵۳)

قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرنا افضل ہے یا حفظ پڑھنا؟ یہ مختلف اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔جس کا خشوع اور تدبر دونوں حالتوں میں برابر ہو اس کے لیے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔اور جسے حفظ پڑھنے سے خشوع اور تدبر زیادہ ہو اس کے لیے زبانی پڑھنا افضل ہے۔تلاوت کا سب سے افضل وقت نماز ہے،اس کے بعد رات ،پھر رات کا آخری نصف،اور دن کا سب سے افضل حصہ صبح کے بعد ہے۔دنوں کے لحاظ سے تلاوت کے لیے سب سے افضل یوم عرفہ(۹ ذی الحجہ) ہے۔اس کے بعد جمعہ کا دن، پھر پیر اور جمعرات کا دن ہے۔اور عشروں کے لحاظ سے رمضان کا آخری عشرہ اور ذی الحجہ کا پہلا عشرہ افضل ہے۔ اور مہینوں کے لحاظ سے تلاوت کے لیے رمضان سب سے افضل ہے۔اور تلاوت (کے دور) کا آغاز جمعہ کی

رات کو ہونا چاہیے اور اختتام بھی جمعرات کی رات کو۔ اور بہتر یہ ہے کہ ختم دن کے شروع حصے یا رات کے شروع حصے میں ہو۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تلاوت رات کے شروع حصے میں ختم ہو تو صبح تک فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں، اور اگر دن کے شروع حصے میں تلاوت پوری ہو تو رات تک فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔

(سنن دارمی: ۳۵۲۶، قال ابو محمد: ھذا حسن عن سعد، ۳۵۲۰، ۳۵۲۱)

یوں کہنا مکروہ ہے کہ میں فلاں آیت بھول گیا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ فلاں آیت مجھے بھلا دی گئی۔ حدیث شریف میں ایسے کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۰۳۹ رفؤاد)۔ ائمہ ثلاثہ تلاوت کا ثواب میت کو پہنچنے کے قائل ہیں، برخلاف شافعیہ کے۔

۳٤ : **معرفة غريب القرآن** : (غریب القرآن کی پہچان) : ابوحیان اندلسی (م ۷۴۵ھ) کہتے ہیں: قرآن مجید کی لغات (کلمات) دو قسم ہیں: ایک وہ جنھیں سب اہل لغت جانتے ہیں جیسے: ارض، سماء وغیرہ۔ اور دوسری وہ جنھیں صرف ماہرین لغت جانتے ہیں۔ اکثر علماء نے اس موضوع پر لکھا ہے اور اسے غریب القرآن کہا ہے۔ (تحفۃ الاریب بمافی القرآن من الغریب: ۱ر۴۰)۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ **فتح الخبير بما لا بد من حفظه فی علم التفسير** اسی موضوع پر ہے۔ الفوز الکبیر کے ساتھ الباب الخامس کے طور پر مطبوع ہے۔

نافع بن ازرق خارجی (م ۶۵ھ) نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے غریب القرآن سے متعلق تقریباً ۲۰۰ رسوالات کیے تھے۔ اور اہل عرب کے کلام سے ان کے معانی کے دلائل بھی پوچھے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سب کے جوابات مع استشہادات دیے تھے۔ انھیں مسائل نافع بن ازرق کہتے ہیں۔ سیوطی رحمہ اللہ نے انھیں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

۳۵ : **ماوقع فيه بغير لغة الحجاز** : (قرآن مجید میں غیر حجازی لغت کے الفاظ) : ابوبکر واسطی (محمد بن موسی فرغانی رمتوفی بعد ۳۲۰ھ) کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ۵۰ رقبائل کی عربی کے الفاظ ہیں۔ جیسے قریش، ہذیل، کنانہ، خثعم، خزرج، اشعر، نمیر، قیس عیلان، جرہم، یمن، ازد شنوء ہ، کندہ، تمیم، حمیر، وغیرہ وغیرہ۔ اور غیر عربی زبانوں میں سے فارسی، رومی، نبطی، حبشی، بربری، سریانی، عبرانی اور قبطی کے الفاظ ہیں۔ ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے لغت قریش کے مطابق نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اکثر حصہ لغت قریش کے مطابق ہے۔

۳٦ : **ما وقع فيه بغير لغة العرب** : (قرآن مجید میں عجمی زبانوں کے الفاظ) : ابوعبید قاسم بن

سلام (م ۲۲۴ھ) نے فقہاء سے عجمی الفاظ کا قرآن مجید میں واقع ہونا نقل کیا ہے، اور اہل عربیت سے عدم وقوع کا قول نقل کیا ہے۔اور ان دونوں قولوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ یہ الفاظ دراصل عجمی تھے ،لیکن اہل عرب نے انھیں اپنی زبان کے مطابق ڈھال کر عربی بنالیا۔جوالیقی ،ابن جوزی اور دوسرے علماء نے یہی قول اختیار کیا ہے۔

۳۷ : **معرفة الوجوه والنظائر** : (وجوہ اور نظائر کی پہچان) : وجوہ سے مراد وہ لفظ مشترک ہے جو کئی معانی میں استعمال ہو جیسے مثلاً امت کا لفظ۔(یہ قرآن مجید میں کل پانچ معانی میں استعمال ہوا ہے۔جماعت، ملت، وقت، امام اور صنف ۔نزہۃ الاعین النواظر :ص ۱۴۳،۱۴۴)۔اور نظائر سے مراد وہ لفظ ہے جس کے معنی تو ایک ہی ہوں ،لیکن مصداق مختلف ہوں ۔جیسے قریہ ۔دیکھیے :الاکلیل فی المتشابہ والتاویل: ۱۴،ملخصاً موضحاً۔وجوہ اور نظائر کے ساتھ ایک تیسری قسم افراد بھی ذکر کی جاتی ہے۔اس کے معنی ہیں کوئی لفظ عام معنی سے ہٹ کر دوسرے معنی میں استعمال ہو۔جیسے قرآن مجید میں اسف سے مراد حزن ہوتا ہے،سوائے اس آیت کے **فلما آسفونا** (زخرف:۵۵) یہاں مراد غصہ دلانا ہے۔

۳۸ : **معرفة معانی الادوات** : (حروف،اسماء،افعال اور ظروف کے معانی) : قرآن مجید میں استعمال ہونے والے حروف استفہام ،حروف عطف،حرف تعریف ،حروف شرط ،حروف تنبیہ ،اسمائے ظروف، اسمائے افعال ،افعال مقاربہ وغیرہ کے معانی اور استعمال کے مواقع کی تفصیل جاننا۔اس میں علم لغت، نحو اور بلاغت سے مدد لی جاتی ہے۔ضمیر اور اس کے مرجع ،تذکیر و تانیث ،تعریف و تنکیر، افراد و جمع، بظاہر مترادف نظر آنے والے الفاظ میں ذیلی فرق ،سوال و جواب کا اسلوب ،عطف کے نکات و ضوابط، ان ابواب میں خاص طور پر بہت تفصیل ہے۔سیوطی رحمہ اللہ نے بیالیسویں نوع میں ان کا ایک نمونہ لکھا ہے۔

۳۹ : **معرفة اعرابه** : (قرآن مجید کا اعراب پہچاننا) : وجوہ اعراب جاننے سے کلام کے معانی اور متکلم کی اغراض کا پتہ چلتا ہے۔قرآن مجید کی ترکیب نحوی کے کچھ بنیادی قواعد درج ذیل ہیں۔۱: اعراب بیان کرنے میں کلام کے معنی کا خیال رکھنا بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ابن ہشام (ابو محمد عبد اللہ جمال الدین بن یوسف انصاری مصری ۷۰۸ - ۷۶۱ھ) کہتے ہیں کہ اعراب بیان کرنے میں بہت سے لوگوں سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ انھوں نے صرف ظاہر لفظ کو دیکھا اور معنی کا پورا دھیان نہیں رکھا۔۲: نحوی قواعد کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔جیسے مثلاً **فناظرة بم يرجع المرسلون** (النمل:۳۵) پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لے کر پھرتے ہیں بھیجے ہوئے۔(موضح قرآن:۴۹۲) میں با کو ناظرۃ کا متعلق قرار دینا درست نہیں، کیونکہ استفہام کے لیے صدر کلام ہوتا ہے۔۳: ترکیب عربی زبان کے موافق ہونی چاہیے۔جیسے مثلا **کما اخرجک ربک**

(الانفال:۵) جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے۔(موضح قرآن:۲۲۹) میں کاف کو قسم کے معنی میں لینے کا قول درست نہیں، کیونکہ کاف کا قسم کے معنی میں استعمال عربی میں ثابت نہیں۔

۴: قریب، قوی اور فصیح احتمال اختیار کرنا چاہیے اور بعید، ضعیف اور شاذ لغات سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ جیسے **وارجلکم** (المائدہ:۶) میں جر کی قراءت کی توجیہ جر جوار سے کرنے کو غلط قرار دیا گیا ہے، کیونکہ جر جوار فی نفسہ ضعیف اور شاذ ہے، بہت کم ثابت ہے۔ درست یہ ہے کہ یہ **برء وسکم** پر معطوف ہے اور مراد موزے پر مسح کرنا ہے۔ ۵: جتنے بھی احتمال ظاہر ہوں ان سب کا احاطہ کرنا چاہیے۔ جیسے **سبح اسم ربک الاعلی** (الاعلی:۱) پاکی بول اپنے رب کی جو سب سے اوپر۔ (موضح قرآن :ص ۷۰۷) میں یوں کہنا چاہیے کہ "الاعلی" رب کی بھی صفت ہوسکتا ہے اور اسم کی بھی صفت ہوسکتا ہے۔ ۶: کبھی اعراب اور معنی میں ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ معنی جس اعراب کا تقاضا کرتا ہے اعراب اس معنی کی موافقت نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں صحت معنی کو ترجیح دی جائے گی اور اعراب میں معنی کے مناسب تاویل کی جائے گی۔ ۷: مفسرین کے کلام میں یہ ملتا ہے کہ **ھذا تفسیر معنی و ھذا تفسیر اعراب** ۔ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اعراب کی تفسیر میں نحوی قواعد کی رعایت ضروری ہے، اور معنی کی تفسیر میں ضروری نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

۴۰ : **فی المحکم والمتشابه** : (قرآن مجید کے محکم اور متشابہ کی پہچان میں) : اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **ھو الذی انزل علیک الکتاب منه آیت محکمت ھن ام الکتاب واخر متشابھت** (آل عمران:۷) وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب، اس میں بعض آیتیں ہیں محکم، یعنی ان کے معنی واضح ہیں۔ وہ اصل ہیں کتاب کی۔ اور دوسری ہیں متشابہ، یعنی جن کے معنی معلوم یا معین نہیں۔ (موضح فرقان: ۶۳) یہاں متشابہ کے معنی ہیں جس لفظ کے مرادی معنی اللہ تعالی کے سوا کسی کو یقینی طور پر معلوم نہ ہوں۔ اور بعض اہل علم کے قول کی رو سے رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کی مراد معلوم ہوتی ہے۔ متشابہ کے یہ معنی، اُصول فقہ کے اصطلاحی معنی سے عام ہیں۔ وہ اصطلاحی معنی اس عام معنی کا ایک فرد ہے۔ اور جس لفظ کی مراد، مجاز یا کنایہ کے عام ہونے کی وجہ سے معلوم ہو وہ متشابہ نہیں، اگرچہ اس کے حقیقی معنی میں کوئی محال ہو۔ متشابہ کی اقسام اور احکام کی تفصیل کے لیے دیکھیے حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ) قدس سرہ کا رسالہ **التواجه بمایتعلق بالتشابه** ۔ یہ رسالہ تفسیر بیان القرآن کے حاشیے پر مطبوع ہے۔ دیکھیے: بیان القرآن: ۲۵۹/۱، ۲۶۰، البشری، کراچی، ط: ۱۴۴۰ھ

۴۱ : **فی مقدمه وموخره** : (قرآن مجید کے مقدم اور موخر لفظ کی پہچان) : اس کی دو قسمیں ہیں۔

ایک یہ کہ بظاہر معنی مراد واضح نہ ہوں، اور جب معلوم ہو جائے کہ لفظ اپنی اصل جگہ سے ہٹا ہوا ہے تو مطلب واضح ہو جائے۔ جیسے مثلا **انی متوفیک ورافعک الی** (آل عمران: ۵۵) میں تجھ کو بھر لوں گا اور اٹھا لوں گا۔ (موضح قرآن: ۷۲) یہاں تقدیم وتاخیر ہے۔ اصل یہ ہے: **انی رافعک الی ومتوفیک** ۔اور دوسری قسم یہ کہ معنی تو واضح ہوں، لیکن اس کے باوجود لفظ کی تقدیم میں جو حکمت اور نکتہ ہے اسے معلوم کرنا چاہیے۔ کتاب اللہ میں کسی لفظ کی تقدیم کی وجوہات کی قسمیں درج ذیل ہیں: ۱: تبرک۔ ۲: تعظیم۔ ۳: تشریف۔ ۴: مناسبت ۔۵: ترغیب ۔۶: سبقت۔ ۷: سببیت ۔۸: کثرت۔ ۹: ادنی سے اعلی کی طرف ترقی۔ ۱۰: اعلی سے ادنی کی طرف نزول۔ ۱۱: قدرت پر زیادہ دلالت کرنیوالا ہونا۔ ۱۲: فواصل کی رعایت (یعنی آیات کا اختتام ایک طرح کا ہو)۔ ۱۳: حصر اور اختصاص کے لیے۔ ۱۴: کبھی ایک مقام پر ایک لفظ مقدم لایا جاتا ہے اور دوسرے مقام پر وہی لفظ مؤخر لایا جاتا ہے۔ ہر مقام کا مقتضی الگ ہونے کی وجہ سے یا تفنن فی الفصاحۃ اور تکثیر اسلوب کی وجہ سے۔

۴۲ : **فی عامہ وخاصہ** : (قرآن مجید کے عام اور خاص کی پہچان) : خاص وہ لفظ ہے جو ایک وضع سے ایک یا کثیر محصور کے لیے بنایا گیا ہو۔ اور ایک سے مراد عام ہے، واحد شخصی ہو جیسے زید، یا واحد جنسی ہو جیسے انسان، یا واحد نوعی ہو جیسے رجل اور امراۃ۔ ایک وضع کی قید سے مشترک لفظی نکل گیا۔ اور کثیر محصور میں تثنیہ اور اسم عدد دونوں شامل رہے، اور عام اور جمع منکر نکل گئے ۔(کشاف اصطلاحات الفنون: ۲/۳۴، ملخصاً) عام کثیر غیر محصور کے لیے بنایا جاتا ہے۔ (دیکھیے: مصدر سابق: ۲/۳۵۸ - ۳۶۲) عام کی مثال جیسے لفظ کل، الذی، التی اور ان دونوں کا تثنیہ اور جمع، ما، من، ای شرطیہ، استفہامیہ اور موصولہ وغیرہ۔ عام کی تین قسمیں ہیں۔ ۱: جو اپنے عموم پر باقی ہو۔ ۲: جس عام سے مراد خصوص ہو۔ ۳: جس عام میں تخصیص ہوئی ہو۔ عام اور خاص کے موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ جیسے مثلا **العقد المنظوم فی الخصوص والعموم** شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی (م ۶۸۲ھ) کی۔ اور **تلقیح الفہوم فی تنقیح صیغ العموم** صلاح الدین علائی دمشقی (م ۷۶۱ھ) کی۔

۴۳ : **فی مجملہ ومبینہ** : (قرآن مجید کے مجمل اور مبین کی پہچان میں) : مجمل کی دلالت واضح نہیں ہوتی۔ اجمال کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ جیسے ۱: مشترک لفظ کا استعمال ۔۲: حذف ۔۳: ضمیر کے مرجع میں اختلاف ۔۴: عطف اور استیناف دونوں کا احتمال ۔۵: لفظ کا غریب ہونا۔ ۶: تقدیم وتاخیر ۔۷: منقول لفظ میں تبدیلی ۔۸: تکرار جس سے کلام میں بہ ظاہر انقطاع آجائے ۔وغیرہ۔ مجمل کا بیان کبھی تو اس کے ساتھ ہی متصل ہوتا ہے اور کبھی دوسری آیت میں منفصل ہوتا ہے۔

٤٤ : **فی ناسخہ ومنسوخہ** : (قرآن مجید کے ناسخ اور منسوخ کی پہچان میں) : نسخ کے معنی متقدمین اور متاخرین کے ہاں مختلف ہیں۔ متقدمین کی اصطلاح میں نسخ ایک وسیع مفہوم کا حامل تھا اور اس میں بہت سی وہ صورتیں داخل تھیں جو بعد کے علماء کی اصطلاح میں نسخ نہیں کہلاتیں ۔ مثلا متقدمین کے نزدیک عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید وغیرہ بھی نسخ کے مفہوم میں داخل تھیں۔ چنانچہ اگر ایک آیت میں عام الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور دوسری میں انھیں کسی خاص صورت سے مخصوص کر دیا گیا ہے تو علمائے متقدمین پہلی کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیتے ہیں، جس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ پہلا حکم بالکلیہ ختم ہو گیا، بلکہ مطلب یہ ہوتا تھا کہ پہلی آیت سے جو عموم سمجھ میں آتا تھا دوسری آیت نے اسے ختم کر دیا۔ اس کے برخلاف متاخرین کے نزدیک نسخ کا مفہوم اتنا وسیع نہیں۔ وہ صرف اس صورت کو نسخ قرار دیتے ہیں جس میں سابقہ حکم کو بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہو۔ محض عام میں تخصیص یا مطلق میں تقیید پیدا ہو جائے تو اسے نسخ نہیں کہتے۔

اصطلاح کے اس فرق کی وجہ سے متقدمین کے نزدیک قرآن کریم کی منسوخ آیات کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ معمولی فرق کی وجہ سے ایک آیت کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیتے تھے، لیکن متاخرین کی اصطلاح کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد بہت کم ہے۔ (علوم القرآن: ۱۶۱ - ۱۶۳ ملخصا) اصول فقہ کی اصطلاح میں نسخ کو بیان تغییر بھی کہتے ہیں۔ نسخ کا تعلق صرف امر اور نہی کے ساتھ ہوتا ہے، اگر چہ وہ خبر کے لفظ میں ہوں۔ اور جس خبر میں طلب کے معنی نہ ہوں جیسے مثلا وعد اور وعید، اس میں نسخ نہیں ہو سکتا۔ نسخ کی تین قسمیں ہیں: ا: تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں۔ ۲: حکم منسوخ ہو، تلاوت باقی ہو۔ ۳: تلاوت منسوخ ہو، حکم باقی ہو۔

٤٥ : **فی مشکلہ وموھم الاختلاف والتناقض** : (جن آیات میں بہ ظاہر اختلاف اور ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے ان کی تفسیر جاننا) : اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے کہ ان کے کلام میں ٹکراؤ ہو۔ ان کی ذات ہر عیب سے پاک ہے تو ان کا کلام بھی ہر عیب سے پاک ہے۔ مبتدی کو کم علمی کی وجہ سے بہ ظاہر کسی جگہ ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے، درحقیقت وہ ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ چانچہ دونوں آیتوں کے معانی کے سب پہلو سامنے آنے سے بات واضح ہو جاتی ہے۔ تو اس ظاہری تعارض کو دور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے مختلف الحدیث کا فن، بہ ظاہر متعارض احادیث میں تطبیق دینے کے لیے ہے۔

٤٦، ٤٧ : **فی مطلقہ ومقیدہ ومنطوقہ ومفھومہ** : (قرآن مجید کے مطلق، مقید اور منطوق، مفہوم کی پہچان میں) : مطلق میں قید نہیں ہوتی، مقید میں قید ہوتی ہے۔ مطلق اور مقید میں عام اور خاص جیسا تعلق ہے۔ لفظ سے براہ راست حاصل ہونے والے معنی کو منطوق کہتے ہیں۔ اور معنی کے واسطے سے حاصل

ہونے والے معنی کو مفہوم کہتے ہیں۔عام، خاص، مطلق، مقید، منطوق اور مفہوم کے بارے میں اصولی مباحث کی تفصیل علم اصول فقہ کے مبادی لغویہ میں بیان ہوتی ہے۔

۴۸ : **فی وجوہ مخاطباتہ** : (قرآن مجید کے خطابات کے معانی اور نکات جاننا) : جیسے: ۱: خطاب عام جس سے مراد بھی عام ہو۔۲: خطاب خاص جس سے مراد بھی خاص ہو۔۳: خطاب عام جس سے مراد خاص ہو۔۴: خطاب خاص جس سے مراد عام ہو۔۵: جنس کو خطاب۔۶: نوع کو خطاب۔۷: خاص شخص کو خطاب۔۸: مدح کا خطاب۔۹: مذمت کا خطاب۔۱۰: عزت کا خطاب۔۱۱: اہانت کا خطاب۔۱۲: مذاق اڑانے کے لیے خطاب۔۱۳: جمع کو واحد کے لفظ سے خطاب۔۱۴: واحد کو جمع کے لفظ سے خطاب۔۱۵: واحد کو تثنیہ کے لفظ سے خطاب۔وغیرہ وغیرہ۔

۴۹ : **فی حقیقتہ ومجازہ** : (قرآن مجید کے الفاظ کے حقیقی اور مجازی معنی جاننا) : قرآن مجید میں حقیقت کے واقع ہونے پر اتفاق ہے۔جمہور کے ہاں مجاز بھی قرآن مجید میں واقع ہے۔ظاہریہ، ابن قاص شافعی اور ابن خویز منداد مالکی اس کے قائل نہیں۔انھیں یہ شبہ ہوا ہے کہ مجاز جھوٹ کے مشابہ ہے، اور حقیقت کے استعمال سے عاجز ہونے کی دلیل ہے، اور اللہ تعالی کی ذات اس سے پاک ہے، لیکن یہ شبہ باطل ہے۔ اگر مجاز نہ ہو تو قرآن مجید کا حسن جاتا رہے۔اہل بلاغت کا اتفاق ہے کہ **المجاز ابلغ من الحقیقۃ** مجاز حقیقت سے زیادہ بلیغ ہے۔

مجاز کی دو قسمیں ہیں۔مجاز عقلی، مجاز لغوی۔مجاز عقلی فعل یا شبہ فعل کے اسناد میں ہوتا ہے۔اور مجاز لغوی مفرد کے معنی میں ہوتا ہے۔مجاز کی ایک قسم تضمین بھی ہے۔یعنی ایک کلمے میں دوسرے کلمے کے معنی ملا دینا۔یہ اسم، فعل اور حرف تینوں میں ہوتا ہے۔حقیقی اور مجازی معنی میں کوئی مناسبت ہوتی۔اسے علاقہ مجاز کہتے ہیں۔مجاز کی اصولی تفصیلات اصول فقہ، بلاغت اور منطق میں بیان ہوتی ہیں۔

۵۰ : **فی تشبیھہ واستعاراتہ** : (قرآن مجید کی تشبیہات اور استعارات کو سمجھنا) : بلاغت کی اشرف اور اعلی قسموں میں سے ایک تشبیہ ہے۔مبرد (ابو العباس محمد بن یزید ۲۱۰ - ۲۸۶ھ) کہتے ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ تشبیہ اہل لسان (عرب) کے کلام کا اکثر حصہ ہے تو بعید نہیں۔ایک شے کو دوسری کی طرح قرار دینا کسی مشترک چیز کی وجہ سے تشبیہ کہلاتا ہے۔تشبیہ کے چار ارکان ہیں۔مشبہ، مشبہ بہ، وجہ تشبیہ، اور اداۃ تشبیہ۔اداۃ تشبیہ سے مراد تشبیہ کے معنی پر دلالت کرنے والا کلمہ ہے۔مجاز کے علاقات میں سے ایک مشابہت بھی ہے۔ یعنی کبھی حقیقی معنی اور مجازی معنی کے درمیان مشابہت اور تشبیہ کا تعلق ہوتا ہے۔اس میں کبھی وجہ تشبیہ، اداۃ تشبیہ دونوں حذف کر دیتے ہیں اور مشبہ یا مشبہ بہ میں سے بھی ایک حذف کر دیتے ہیں تو اسے استعارہ کہتے

ہیں۔ گویا استعارہ مجاز اور تشبیہ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ استعارہ تشبیہ سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ اسی طرح کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے اور استعارہ کنایہ سے بھی زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ اور استعارے کی بعض قسمیں دوسری قسموں سے زیادہ بلیغ ہوتی ہیں۔ زیادہ بلیغ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان میں زیادہ تاکید اور مبالغہ پایا جاتا ہے۔

اگر کوئی کہے **زید اسد** (زید شیر ہے) تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد تشبیہ ہو تو اس صورت میں حرف تشبیہ مقدر ہوگا۔ اور مطلب ہوگا زید شیر کی طرح ہے۔ اور دوسری یہ کہ استعارہ مراد ہو تو حرف تشبیہ مقدر نہیں ہوگا۔ اور مطلب ہوگا زید شیر ہی ہے۔ اس سے استعارے اور اس تشبیہ میں فرق واضح ہوا جس میں اداۃ تشبیہ محذوف ہوتا ہے۔

۵۱ - ۵۵ : **فی کنایاته وتعریضه وفی الحصر والاختصاص وفی الایجاز والاطناب وفی الخبر والانشاء وفی بدائع القرآن** : (قرآن مجید کے کنایہ، تعریض اور حصر اختصاص اور ایجاز اطناب اور خبر انشاء اور محسنات بدیعیہ کی پہچان میں) : یہ بھی بلاغت کے ابواب میں سے ہیں جن پر اہل بلاغت نے تفصیل سے کلام کیا ہے۔ حضرت امام محمد انور شاہ کشمیری (۱۲۹۲ - ۱۳۵۲ھ) قدس سرہ فرماتے ہیں: تجربے کے بعد کہتا ہوں کہ بلاغت کے بہت سے مسائل، (تفسیر) کشاف سے نکلتے ہیں، جن کی خوشبو بھی بلاغت کی کتب میں مجھے نہیں ملی۔ اندازہ ہے کہ ایسے مسائل بلاغت کی کتابوں کے مسائل سے تقریبا آدھے ہوں گے۔ (فیض الباری: ۱/۲۵۵، ملخصا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط: ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵م)

۵۶، ۵۷ : **فواتح السور وخواتمها** : (سورتوں کے آغاز اور اختتام کی خوبیاں جاننا) : حسن ابتداء اور حسن انتہاء دونوں بلاغت کا اہم حصہ ہیں۔ حسن ابتداء کا مطلب یہ ہے کہ کلام کا آغاز عمدہ ہو، تاکہ سامع متوجہ ہو جائے اور بات سمجھے۔ آغاز اگر پھیکا ہو تو سامع توجہ نہیں کرے گا اگرچہ بعد والا کلام بہت اچھا ہو۔ اور حسن انتہاء کے معنی یہ ہیں کہ کلام کا اختتام بھی عمدہ ہو، تاکہ سامع کے کان میں جو بات آخر میں پڑے وہ مختصر، جامع اور اختتام کی طرف اشارہ کرنے والی ہو جس سے اسے مزید کلام کا انتظار نہ رہے۔ قرآن مجید کی سب سورتوں کا آغاز اور اختتام بہترین طور پر ہوا ہے۔

سورتوں کا آغاز کل دس قسم کے کلام سے ہوا ہے۔ ۱: ثناء۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کمالات کو ثابت کرنا۔ یہ تحمید سے ہوتا ہے۔ دوسری یہ کہ عیوب کی نفی کرنا۔ یہ تسبیح سے ہوتا ہے۔ تحمید اور تبارک سے ۷/سورتیں اور تسبیح سے بھی ۷/سورتیں شروع ہوئی ہیں۔ ۲: حروف مقطعات: ان سے ۲۹/سورتیں شروع ہوئی ہیں۔ ۳: نداء: اس سے ۱۰/سورتیں شروع ہوئی ہیں۔ ۵/نبی اکرم ﷺ کی نداء سے،

اور ۵/امت کی ندا سے۔۴: جملہ خبریہ سے ۲۳/سورتیں شروع ہوئی ہیں۔۵: قسم سے ۱۵/سورتیں شروع ہوئی ہیں۔۶: شرط ۷/سورتوں کے شروع میں ہے۔۷: امر ۶/سورتوں کے شروع میں ہے۔۸: استفہام سے ۶/سورتیں شروع ہوئی ہیں۔۹: دعا سے تین سورتیں شروع ہوئی ہیں۔۱۰: علت سے ایک سورت کا آغاز ہوا۔

حسن ابتداء کی ایک قسم براعۃ الاستہلال ہے۔اس میں شروع کلام میں مقاصد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔اس کی بہترین مثال سورہ فاتحہ ہے، جو قرآن مجید کے شروع میں ہے اور پورے قرآن مجید کے مضامین پر مشتمل جامع خلاصہ ہے۔(تفصیل اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید انسان کو سعادت اور کامیابی کا راستہ بتانے آیا ہے۔اس کے لیے اپنے مولی کی پہچان اور اسکی بندگی کی ضرورت ہے۔اور اس میں سستی اور غفلت سے بچنے کے لیے وعد و وعید کی ضرورت ہے۔اس طرح قرآن مجید میں بنیادی طور پر تین مضامین بیان ہوئے ہیں۔ ۱: اللہ تعالی کی تعریف وتوصیف اور پہچان۔۲: احکام وقوانین ۔ یہ کرو، یہ نہ کرو۔۳: وعد و وعید سے ترغیب وترہیب۔سورت فاتحہ کے شروع کی تین آیتوں میں اللہ تعالی کی ثنا اور معرفت ہے۔چوتھی اور پانچویں آیت میں احکام اور قوانین ہیں۔چھٹی اور ساتویں آیت میں وعد و وعید ہے۔(حاشیۃ السید الشریف علی الکشاف: ۱/۲۳، ملخصاً، دار الفکر، ط: اولی ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷م) نیز دیکھیے: تفسیر الرازی: ۱/۱۵۷، ۱۶۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط: ۱۴۲۰ھ۔

سورتوں کا اختتام بھی آغاز کی طرح عمدہ ترین ہے۔جیسے سورہ فاتحہ کے آخر میں مطلوب کا خلاصہ ہے۔سورہ بقرہ کے آخر میں دعا ہے۔سورہ آل عمران کے آخر میں نصیحت ہے۔سورہ نساء کے آخر میں وراثت کا مضمون ہے جس میں موت کی طرف اشارہ ہے جو انسان کی اس زندگی کا اختتام ہے۔سورہ مائدہ کے آخر میں اللہ تعالی کی تعریف ہے۔وغیرہ وغیرہ۔حضرت تھانوی قدس سرہ کا ارشاد ہے: حق تعالی ہر سورت میں بہت سے احکام بیان فرما کر اخیر میں ایسی بات بیان فرماتے ہیں جو سب کی جامع ہوتی ہے، اور جس پر عمل کرنے سے تمام احکام مذکورہ میں سہولت ہو جاتی ہے۔

(خطبات حکیم الامت: ۳/۳۹۶، وعظ سبیل النجاح، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۸ھ)

۵۸: **مناسبۃ الآیات والسور**: (آیتوں اور سورتوں کا باہمی ربط جاننا): حضرت تھانوی قدس سرہ کا ارشاد ہے: میں نے ربط آیات اپنی تصنیف **سبق الغایات فی نسق الآیات** میں دکھلایا ہے، جس کو لوگوں نے بہت پسند کیا ہے، مگر وہ سب ظنی تخمینی ہے، جس پر کوئی دلیل قوی نہیں۔اعتقاداً میں یہی سمجھتا ہوں کہ باہم آیات میں کسی ربط کی ضرورت ہی نہیں۔یہ تو خوبی قرآن کی ہے کہ اس میں ربط ظاہر نہیں۔البتہ باہم تناسب کی نفی نہیں کی جاتی۔مگر وہ بھی کسی دلیل سے متعین نہیں۔اجمالاً ایک دلیل سے ثابت ہے۔اور وہ دلیل

تلاوت کی ترتیب کا نزول کی ترتیب سے مختلف ہونا ہے۔جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان مواقع سے خاص مناسبت ہے جس کا علم اللہ تعالی ہی کو ہے۔

حضرت اگر ظاہر ربط نہ ہونا موجب قدح ہوتا تو سب سے زیادہ دشمن اول اول عرب کے قریش تھے۔ وہ ضرور نقص نکالتے، مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی۔اور خود عرب کے شاعروں میں بھی صرف ضرورت پر نظر ہے۔ربط کا خواہ مخواہ کا خبط نہیں۔سبع معلقات ہی میں یہ شعر ہے: **ھل غادر الشعراء من متردم — ام ھل عرفت الدیار بعد توھم۔** (اول المعلقة السادسة لعنترة بن شداد) ان دو مصرعوں میں باہم کوئی ربط نہیں۔اول مصرع میں کچھ مضمون ہے، دوسرے میں کچھ۔وہاں شعراء کا حال بیان کر رہے تھے، یہاں گھر کا حال بیان کرنے لگے۔ متنبّی (ابو الطیب احمد بن حسین متوفی ۳۵۴ھ) نے البتہ ان تکلفات کا زیادہ اہتمام کیا ہے، اور اسی کو اہل عرب اچھا نہیں کہتے۔کہتے ہیں کہ اس کے کلام میں عجمیت ہے، عربیت نہیں۔عربیت میں تو سادگی ہوتی ہے، تکلف نہیں ہوتا۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۶۰/۱۰، ۶۱ ملخصا، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ)

دوسری آیت پہلی کے لیے اگر تاکید یا تفسیر یا اعتراض یا بدل ہے تو ربط ظاہر ہے۔اور اگر ربط ظاہر نہ ہو بلکہ ہر جملہ دوسرے سے بہ ظاہر مستقل معلوم ہو تو ایسی صورت میں بھی غور کرنے سے کئی طرح کا ربط سامنے آتا ہے جیسے سبب مسبب کا تعلق، علت معلول کا تعلق، ایک دوسرے کی نظیر ہونا، ایک دوسرے کی ضد ہونا، استطراد وغیرہ۔سورتوں میں باہم اور ایک سورت کے آغاز کو اسی کے اختتام سے ربط جاننا بھی اہم ہوتا ہے۔اور سورتوں کے ناموں کی ان سورتوں کے مقاصد سے مناسبت معلوم ہونا بھی ضروری ہے۔

۵۹ : **معرفة الآیات المشتبهات** : (ایک طرح کی آیات کے باہمی فرق کے نکات جاننا) : اس نوع کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک واقعہ یا مضمون مختلف جگہ پر مختلف الفاظ میں بیان ہوا ہے۔اس فرق کی حکمت سمجھنا۔جیسے مثلاً سورہ بقرہ: آیت ۵۸/ میں ہے: **وادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة** ہے۔اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے جاؤ بخش دے۔(موضح فرقان: ۱۱)۔اور سورہ اعراف: آیت ۱۶۱/ میں ہے: **وقولوا حطة وادخلوا الباب سجدا** ہے۔اور مثلا سورہ بقرہ: آیت ۶/ میں **سواء علیھم ءانذرتھم** ہے۔برابر ہے ان کو تو ڈرائے۔(موضح فرقان: ۴)۔اور سورہ یس: آیت ۱۰/ میں **وسواء علیھم ءانذرتھم** ہے۔وغیرہ وغیرہ۔ایسے ہی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ الفاظ اور انداز کے فرق کے ساتھ متعدد جگہوں پر آیا ہے۔اور حضرت موسی علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بھی الفاظ اور انداز کے فرق کے ساتھ کئی دفعہ آیا ہے۔

۶۰ : **اعجاز القرآن** : **(قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی وجوہ جاننا)** : **معجزہ** اس خلاف عادت کام کو کہتے ہیں جس کے ساتھ مقابلے کا چیلنج ملا ہو اور اس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔ معجزے کی دو قسمیں ہیں۔ حسی اور عقلی۔ بنی اسرائیل کے اکثر معجزات حسی تھے، ان کی ذہنی سطح کے لحاظ سے۔ اور امت محمدیہ کے اکثر معجزات عقلی ہیں، ان کی عقل کامل ہونے کی وجہ سے۔ حسی معجزات جلد ختم ہو جاتے ہیں اور عقلی معجزات باقی رہتے ہیں۔ عقلاء کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ قرآن مجید میں مقابلے کا جو چیلنج دیا گیا ہے اس کی تین قسمیں ہیں: ۱: پوری کتاب اس طرح کی لاؤ۔ (طور: ۳۴، اسراء: ۸۸)۔ ۲: دس سورتیں اس طرح کی لے آؤ۔ (ہود: ۱۳، ۱۴)۔ ۳: ایک ہی سورت اس طرح کی لے آؤ۔ (بقرہ: ۲۳، یونس: ۳۸)

حضرت تھانوی قدس سرہ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: عرب میں ایسے وقت قرآن پاک کا نزول ہوا جب وہاں بڑے بڑے بلغاء فصحاء موجود تھے۔ اس وقت حق تعالی کا یہ فرمانا کہ اس کی مثل ایک سورت ہی لے آؤ اور پھر کوئی اس کی مثل نہ لا سکا صاف دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ تفصیلی وجوہ اعجاز کے بیان کرنا ضرور نہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۸/۱۶۵ ملخصا) چنانچہ مثلا ولید بن مغیرہ جیسے قریش کے سردار اور دشمن اسلام نے جب نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن مجید کی آیات سنیں تو یوں تبصرہ کیا: **فو اللہ ما فیکم رجل اعلم بالاشعار منی ، ولا اعلم برجز ولا بقصیدۃ منی ، ولا باشعار الجن ، واللہ مایشبہ الذی یقول شئیا من ھذا ، وواللہ ان لقولہ الذی یقول حلاوۃ ، وان علیہ لطلاوۃ ، وانہ لمثمر اعلاہ ، مغدق اسفلہ ، وانہ لیعلوومایعلی ، وانہ لیحطم ماتحتہ .** (مستدرک حاکم: ۲/۳۸۷ صححہ الحاکم والذہبی، ملخصا) سو اللہ کی قسم تم میں شعر کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں، اور نہ رجز اور قصیدے کو مجھ سے زیادہ کوئی جاننے والا ہے، اور نہ جنوں کے شعر کو، (یعنی میں تمام اصناف سخن کو تم میں سب سے زیادہ سمجھتا ہوں، پھر بھی کہتا ہوں) اللہ کی قسم ان (محمد ﷺ) کے سنائے ہوئے کلام (قرآن مجید) کی عجیب حلاوت اور شیرینی ہے، اور اس پر عجیب قسم کی رونق ہے۔ اور اس کی شاخیں پھلدار ہیں، اور اسکی جڑیں مضبوط ہیں، اور یہ کلام بلند اور غالب ہو کر رہے گا مغلوب نہ ہوگا، اور یہ سب کو کچل کر رکھ دے گا۔

چند مسخروں نے قرآن مجید کے مقابلے میں کچھ مضحکہ خیز جملے بنائے تھے، وہ تاریخ کے صفحات میں آج تک محفوظ ہیں اور اہل عرب ہمیشہ ان کی ہنسی اڑاتے آئے ہیں۔ مثلا کسی نے سورہ القارعہ کے انداز پر یہ جملے کہے تھے: **الفیل ، ماالفیل ، وماادراک ماالفیل ، لہ مشفر طویل وذنب اثیل.** (ہاتھی، ہاتھی کیا ہے، اور تمھیں کیا معلوم ہاتھی کیا ہے؟ اس کا لمبا ہونٹ ہے، اور مضبوط دم ہے)۔ عربی زبان کے

مشہور ادیب اور انشاء پرداز عبداللہ بن مقفع (متوفی ۱۴۲ھ) نے قرآن مجید کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا، لیکن اسی دوران کسی بچے کو یہ آیت پڑھتے سنا: **وقیل یا ارض ابلعی ماء ک ویا سماء اقلعی** (ہود:۴۴) اور حکم آیا اے زمین! نگل جا اپنا پانی، اور اے آسمان تھم جا۔ (موضح قرآن:۲۹۴)۔ تو پکار اٹھا کہ اس کلام کا معارضہ ناممکن ہے اور یہ ہرگز انسانی کلام نہیں۔ (علوم القرآن:۲۵۳،۲۵۴ ملخصاً)

حضرت شیخ (مولانا محمد یوسف بنوری) رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: یہ صرف قرآن کا اعجاز ہے کہ اس سے ہر شخص بقدر حیثیت فائدہ اٹھاتا ہے۔ عامی شخص بھی اس کو پڑھ کر اپنی راہنمائی کا سامان پاتا ہے، اور عالم جب پڑھتا ہے تو **لا تنقضی عجائبہ** کی شان رکھتا ہے۔ (ماہنامہ بینات: جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ، ص ۵۵) اور فرماتے ہیں: شملہ میں ایک موقع پر حضرت مولانا عثمانی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن، حضرت مولانا خلیل احمد، حضرت مولانا تھانوی اور حضرت (انور) شاہ صاحب (کشمیری) رحمہم اللہ تعالیٰ جمع ہوئے۔ بعض لوگوں نے تقاضا کیا کہ قرآن کے اعجاز پر تقریر ہو۔ اس کے لیے حضرت شاہ صاحب منتخب ہوئے۔ تقریر سے پہلے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اعجاز قرآن پر میری تقریر اس شخص کو سمجھ میں آئے گی جس کو بارہ ہزار اشعار دورِ جاہلیت کے یاد ہوں اور بلاغت وفصاحت کے قواعد پر عبور ہو۔ بہر حال آپ نے ڈیڑھ یا دو گھنٹہ تقریر کی۔ تقریر کے خاتمہ پر حضرت مولانا تھانوی نے فرمایا: سبحان اللہ! آج ہمیں اپنے جہل کا علم ہوا۔

(ماہنامہ بینات: جمادی الاخری ۱۴۴۰ھ، ص ۵۰)

اعجاز قرآن کے بارے میں ایک کہاوت ہے: **لم یدر اعجاز القرآن الا الاعرجان** ۔ یعنی قرآن مجید کے اعجاز کو دو لنگڑوں نے ہی خوب سمجھا ہے۔ عبد القاہر جرجانی مصنف دلائل الاعجاز، اور جار اللہ محمود زمخشری مصنف تفسیر کشاف۔ حضرت امام انور شاہ کشمیری قدس سرہ یہ قول نقل کر کے بعض دفعہ فرمایا کرتے تھے: **وانا ثالثھما** ۔ اور میں ان کے ساتھ تیسرا ہوں۔ (یتیمۃ البیان لمشکلات القرآن:۵۰)

قرآن مجید جن خصوصیات کی بنا پر معجزہ ہے، ان خصوصیات کا احاطہ تو انسانی طاقت سے باہر ہے۔ البتہ انسان کی محدود بصیرت کے مطابق ان اعجازی خصوصیات کو چار عنوانات پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ۱: مفردات کا اعجاز ۔۲: ترکیب کا اعجاز ۔۳: اسلوب بیان کا اعجاز ۔۴: نظم کا اعجاز ۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: علوم القرآن:۲۵۴-۲۶۸، باب ہفتم: حقانیت قرآن، عنوان: قرآن کریم کی اعجازی خصوصیات)۔ قرآن مجید کی تفسیر سے مناسبت نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے مروج اسلوب تحریر کو ذہن میں رکھ کر اسے پڑھتے ہیں، حالانکہ اس کتاب کریم کا اسلوب بیان ہمارے مروج اسلوب تحریر سے بہت مختلف ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کا موضوع اور اس کے اسلوب بیان کی خصوصیات اچھی طرح سمجھ کر انھیں ذہن

نشین رکھنا بہت ضروری ہے۔اس موضوع پر محمد عبدالخالق عضیمۃ کی دراسات لاسلوب القرآن الکریم بھی مفید ہے۔

۶۱ : **العلوم المستنبطة من القرآن** : (قرآن مجید سے ثابت ہونے والے علوم ومعارف) :
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا: اللہ تعالی نے فلاں فلاں عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ بنواسد کی ایک عورت کو یہ بات پہنچی تو اس نے آپ سے کہا۔آپ نے فرمایا جس پر رسول اللہ نے لعنت فرمائی میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں حالانکہ یہ بات قرآن مجید میں بھی ہے۔اس عورت نے کہا میں نے سارا قرآن پڑھا ہے اس میں مجھے یہ بات نہیں ملی! آپ نے فرمایا اگر تم نے (غور سے) اسے پڑھا ہوتا تو تمھیں یہ بات مل جاتی۔کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: **وَمَا آتٰکم الرسو ل فخذوہ ومانھٰکم عنه فانتھوا** (الحشر:۷) اور جو دے تم کو رسول سو لے لو۔اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔(موضح قرآن:ص ۷۰۹)۔ اس نے کہا کیوں نہیں! (یہ تو پڑھا ہے)۔آپ نے فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔(صحیح بخاری:۴۸۸۶/فواد) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **جمیع ما تقوله الامة شرح للسنة، وجمیع السنة شرح للقرآن.** (علمائے) امت (دین کے بارے میں) جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب سنت کی تشریح ہے، اور ساری سنت قرآن مجید کی تشریح ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے قرآن مجید کا مدار توحید، رسالت، آخرت اور تقدیر کے اثبات پر رکھا ہے۔اور ان اُصولِ اَربعہ کو ثابت کرنے میں بہت تفصیل بیان فرمائی ہے۔(تفسیر الرازی: ۱۶۲/۱۳، ۲۳۱/۲۰) حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا ارشاد ہے: قرآن مجید ایک مطب روحانی ہے، اور ہم سب مریض ہیں، تو ہر آیت تمام امراض کا علاج ہے۔اور اسی وجہ سے قرآن مجید کی عجیب ترتیب ہے کہ اس میں ابواب وفصول نہیں۔بلکہ ہر مضمون میں ایسی جامعیت کا لحاظ ہے کہ جو آیت بھی لی جائے وہ ہر مرض کے علاج کے لیے کافی وافی ہے۔گو ہر مقام پر ظاہر نظر میں کسی خاص مرض کا علاج معلوم ہوتا ہے، لیکن تعمق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر مرض کا علاج ہے۔یہیں سے معلوم ہوا ہوگا کہ قرآن مجید کا طرز (بیان، انسانی) مصنفین کی کتب کے طرز پر کیوں نہیں۔(خطبات حکیم الامت : ۱۳/۱۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط:۱۴۲۸ھ) اور ارشاد ہے: بیان القرآن کی سرخیوں میں علوم القرآن ہیں۔ان کے اندر غور کرنے سے قرآن مجید کے علوم کا اور غرض مسوق لہ الکلام کا پتہ چل جاتا ہے۔اور بہت خدشات اس سے رفع ہوجاتے ہیں۔(ملفوظات حکیم الامت: ۳۹۲/۲۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط:۱۴۲۵ھ)

بعض علماء فرماتے ہیں: قرآن مجید میں آیات احکام ۱۵۰/ ہیں، بعض فرماتے ہیں: ۵۰۰/ ہیں۔

شاید ان کی مراد یہ ہے کہ صریح آیات احکام اتنی ہیں، کیونکہ قصص ،اَمثال وغیرہ آیات سے بھی بہت سے احکام ثابت ہوتے ہیں۔سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب **الاکلیل فی استنباط التنزیل** میں آیات سے ثابت ہونے والے فقہی ،اصولی ،اعتقادی اور دیگر مسائل ذکر کیے ہیں۔اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی سر پرستی میں لکھی گئی عظیم الشان کتاب **اَحکام القرآن** بھی اسی موضوع پر ہے۔یہ کتاب ۱۸ر جلدوں میں مکمل طبع ہوچکی ہے۔اس کی تصنیف میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی،حضرت مفتی محمد شفیع،حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی،حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی،اور حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہم اللہ تعالی جیسے اکابر اہل علم شریک ہوئے۔

۶۲ : **اَمثال القرآن :** (قرآن مجید میں بیان کی گئی مثالوں کی تفسیر جاننا) : قرآن مجید میں مثالیں بیان کرنے کی کئی حکمتیں ہیں۔جیسے نصیحت کرنا،اُبھارنا،ڈرانا،دوسروں سے عبرت دلانا،بات ثابت اور پختہ کرنا،سمجھنے میں آسانی کرنا،معقول کو محسوس کے پیرائے میں لاکر ذہن نشین کرانا،بیان کا سلیقہ سکھانا،مدح کرنا اور مذمت کرنا وغیرہ۔

قرآن مجید کی مثالیں دو قسم کی ہیں۔ظاہر،خفی۔ظاہر جس میں مثل کا لفظ ہو۔خفی جس میں یہ لفظ نہ ہو،لیکن اس کے معنی ہوں۔ظاہر کی مثال جیسے : **مثلھم کمثل الذی استوقد نارا** (البقرہ: ۱۷ - ۲۰)۔ان کی مثال جیسے ایک شخص نے سلگائی آگ۔(موضح قرآن:۵) یہاں منافقوں کی دو مثالیں بیان کی گئی ہیں۔آگ سے اور بارش سے۔اس قسم کو تشبیہات میں بھی داخل کیا جاسکتا ہے۔

خفی کے بارے میں (ابوعلی) حسین بن فضل (بجلی کوفی ۱۸۰ - ۲۸۲ھ) سے کہا گیا کہ تم عرب اور عجم کی کہاوتیں اور ضرب الامثال قرآن مجید سے نکالتے ہو،تمھیں قرآن مجید میں **کما تَدِینُ تُدانُ** ملی؟ اس نے کہا: **من یعمل سوء یجز به.** (النساء:۱۲۳) میں ہے۔جو کوئی برائی کرے گا اس کی سزا پائے گا۔(موضح قرآن:۱۲۵)۔پوچھا گیا **لیس الخبر کالعیان** کہاں ہے؟ اس نے کہا: **قال اولم تئو من قال بلی ولکن لیطمئن قلبی.** (البقرہ:۲۶۰) میں ہے۔فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا؟ کہا کیوں نہیں! لیکن اس واسطے کہ تسکین ہو میرے دل کو۔(موضح قرآن:۵۵) وغیرہ وغیرہ۔جعفر بن (محمد) شمس (الخلافۃ متوفی ۶۲۲ھ) نے کتاب الآداب میں ایک باب قائم کیا ہے جس میں قرآن مجید کے وہ الفاظ ذکر کیے ہیں جو کہاوت اور ضرب الامثال ہیں۔جسے فن بدیع کی اصطلاح میں ارسال المثل کہتے ہیں۔جیسے: **لیس لھا من دون اللہ کاشفة** (النجم:۵۸)۔کوئی نہیں اس کو اللہ کے سوا کھول دکھانے والا۔(موضح قرآن:۶۸۵)۔ **لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون** (آل عمران:۹۲)۔ہرگز نہ حاصل کرسکو گے نیکی میں کمال جب

تک نہ خرچ کرواپنی پیاری چیز سے کچھ۔(موضح فرقان: ۷۹)۔وغیرہ۔

٦٣ : **اَقسام القرآن** : (قرآن مجید کی قسمیں سمجھنا) : قسم خبر کی تحقیق وتاکید کے لیے ہوتی ہے۔ عرب اہل لسان کا اسلوب ہے کہ بات پکی کرنے کے لیے قسم ذکر کرتے ہیں۔فیصلہ دو قسم کی دلیلوں سے ہوتا ہے: گواہی اور قسم۔اللہ تعالی نے دونوں قسم کی دلیلیں ذکر فرمائی ہیں۔باری تعالی نے سات مقامات پر اپنی ذات کی قسم ذکر کی ہے۔نساء: ۶۵، یونس: ۵۳، حجر: ۹۲، مریم: ۶۸، ذاریات: ۲۳، تغابن: ۷، معارج: ۴۰۔ باقی مقامات پر اپنے فعل کی یا مخلوق کی قسم ہے۔مصنوعات کی قسم مستلزم ہے صانع کی قسم کو، کیونکہ مفعول کا ذکر فاعل کے ذکر کو مستلزم ہے، کیونکہ مفعول فاعل کے بغیر پایا نہیں جاسکتا۔

قسم کی دو قسمیں ہیں: ظاہر اور مضمر۔مضمر کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس پر لام دلالت کرے۔ دوسری وہ جو معنی سے سمجھ آئے۔لام کی مثال: **لتبلون فی اموالکم**.(آل عمران: ۱۸۶)۔البتہ تم آزمائے جاؤ گے مال سے۔(موضح قرآن: ۹۵)۔معنی کی مثال: **وان منکم الا واردھا** (مریم: ۷۱)۔یعنی **واللہ** . اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر۔(موضح قرآن: ۴۰۱)

٦٤ : **فی جدل القرآن** : (قرآن مجید کا طرز مجادلہ سمجھنا): قرآن مجید کے دلائل عوام وخواص، عرب وعجم سب کے لیے ہیں۔نزول قرآن کے وقت اہل عرب کا طرز خطابی دلائل سے بات کرنے کا تھا، اور اسی طریقے کو عام طور پر سمجھا جاتا تھا۔نیز عام لوگ ہر زمانے میں اسی انداز سے بات بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔چنانچہ قرآن مجید میں بھی اس اُسلوب کی رعایت کی گئی ہے۔قرآن مجید کے دلائل کا مدلول مطابقی خطابی اور اقناعی ہوتا ہے، اور مدلول التزامی برہان قطعی ہوتا ہے۔اور یہ اسلوب بھی وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ ہے، کہ ایک لفظ میں عوام اور خواص دونوں کے اطمینان کا سامان مہیا فرمادیا۔عوام ظاہر کو سمجھ لیں، اور خواص باطن میں موجود دلیلِ قطعی دیکھ کر تسلی کرلیں۔(دیکھیے: الفوائد المنتقاۃ من امالی امام العصر: ۱۲۹، ۱۳۰، یتیمۃ البیان: ۶۹-۳۷، خطبات حکیم الامت: ۲۷/۴۰-۴۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۳۱ھ) حضرت تھانوی قدس سرہ اپنی تفسیر بیان القرآن کے خطبے میں فرماتے ہیں: تقریر مدلول آیات میں قواعد میزانیہ منطقیہ کی پوری طور سے مراعات کی گئی ہے۔جس کا لطف اذکیا اور علما کے جی سے پوچھنا چاہیے۔(بیان القرآن: ۲۹/۱)

٦٥ : **ماوقع فی القرآن من الاسماء والکنی والالقاب** : (قرآن مجید میں جو نام، کنیتیں اور القاب آئے ہیں انھیں جاننا) : قرآن مجید میں ۲۵/انبیاء کے نام آئے ہیں۔حضرت آدم، نوح، ادریس، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، لوط، ہود، صالح، شعیب، موسی، ہارون، داود، سلیمان، ایوب، ذوالکفل، یونس، الیاس، الیسع، زکریا، یحیی، عیسی بن مریم، محمد صلوات اللہ سلامہ علیہم اجمعین۔فرشتوں کے

ناموں میں سے ۹ر نام آئے ہیں: جبرائیل، میکائیل، رعد، برق، ہاروت،، ماروت، مالک، سجل، قعید۔ صحابہ میں سے حضرت زید بن حارثہ کا نام آیا ہے۔ انبیاء کے علاوہ پہلے لوگوں میں سے عمران، عزیر، تبع، لقمان، یوسف (سورہ غافر والا)، یعقوب (سورہ مریم کے شروع والا) اور تقی آئے ہیں۔ خواتین کے ناموں میں سے صرف مریم آیا ہے۔ کفار کے ناموں میں سے قارون، جالوت، ہامان، آزر آئے ہیں۔ جنات کے ناموں میں سے ابلیس آیا ہے۔ کنیتوں میں سے صرف ابولہب ہے۔ القاب میں سے اسرائیل حضرت یعقوب کا اور مسیح حضرت عیسی علیہما السلام کا لقب ہے۔

٦٦، ٦٧ : **المبھمات واسماء من نزل فیھم القرآن** : (مبہمات اور جن کے بارے میں قرآن مجید نازل ہوا انھیں جاننا) : مبہمات قرآن مجید پر سیوطی رحمہ اللہ کی **مفحمات الاقران فی مبھمات القرآن** مطبوع ومتداول ہے۔

٦٨ : **فضائل القرآن وخواصہ** : (قرآن مجید کے فضائل وخواص) : فضائل کے بارے میں احادیث کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم جو پورے قرآن مجید کے فضائل کے بارے میں ہے۔ اور دوسری قسم جو الگ الگ سورتوں یا آیتوں کے بارے میں ہے۔ خواص بھی دو قسم کے ہیں۔ بعض نصوص سے ثابت ہیں، اور بعض تجربے سے۔ جیسے مثلاً بیماری میں سورہ فاتحہ سے دم کرنا اور شفا ہونا۔ (صحیح بخاری: ۵۰۰۷ر فؤاد)۔ اور سوتے وقت آیت الکرسی پڑھنے سے اللہ تعالی کی طرف سے ایک محافظ مقرر ہوجانا۔ (صحیح بخاری: ۵۰۱۰ر فؤاد)۔ ابن تین (محمد بن عبدالواحد م ۶۱۱ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معوذات اور اسمائے الٰہیہ سے دم کرنا طب روحانی ہے، جبکہ نیک لوگوں کی زبان سے ہو اللہ تعالی کے حکم سے شفا ہوجاتی ہے۔ جب یہ علاج ناپید ہوا تو لوگ طب جسمانی کی طرف مجبور ہوئے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں: قرآن وحدیث میں جو مختلف اعمال واحوال کی خاصیتیں مذکور ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں فی نفسہ یہ خاصیت ہے۔ باقی اگر کوئی معارض قوی ہوا تو ظاہر ہے کہ اس معارض کا اثر غالب ہوجائے گا۔ غرض ان میں اثر ضرور ہے بشرطیکہ کوئی معارض قوی نہ ہو۔ یہ حضرت مولانا (محمد) یعقوب صاحب (نانوتوی ۱۲۴۹-۱۳۰۲ھ) کی تحقیق ہے جو میں نے کہیں منقول نہیں دیکھی۔ سبحان اللہ! قرآن وحدیث پڑھے تو ایسے سے پڑھے۔ دیکھیے اس تحقیق سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نصوص جن میں مختلف اعمال واحوال کے فضائل مذکور ہیں، حل ہوگئیں۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۹/۶،۱۷،۵،۱۷، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ)

٦٩ : **افضل القرآن وفاضلہ** : (قرآن مجید کے افضل اور فاضل) : کیا قرآن مجید کی بعض آیات

بعض سے افضل ہیں؟ اس بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ جو حضرات تفضیل کے قائل ہیں ان میں پھر اختلاف ہے کہ افضل ہونے کے کیا معنی ہیں؟ زیادہ ثواب ملنا ہے یا نظم قرآن کی خوبیاں زیادہ ہونا مراد ہے یا عمل زیادہ مفید ہونا مراد ہے یا معانی زیادہ عظمت والے ہونا مراد ہے یا کچھ اور مراد ہے؟

۷۰ : **فی مفردات القرآن** : (بعض آیات کی مخصوص خوبیاں جاننا) : جیسے مثلاً خیر اور شر کی جامع ترین آیت یہ ہے: **ان اللہ یامر بالعدل والاحسان** (النحل:۹۰)۔ اللہ حکم کرتا ہے انصاف کو اور بھلائی کو۔ (موضح قرآن:۳۵۸)۔ سب سے زیادہ توکل کی ترغیب والی آیت یہ ہے: **ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ** (الطلاق:۳)۔ اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اس کو بس ہے۔ (موضح قرآن:۷۲۴)۔ سب سے زیادہ امید والی آیت کے بارے میں ۱۰ سے زیادہ اقوال ہیں۔ حکم، معنی اور اعراب کے لحاظ سے مشکل ترین آیتوں میں سے ایک یہ ہے: **یا ایھا الذین آمنوا شھادۃ بینکم** (المائدہ:۱۰۶)۔ اے ایمان والو! گواہ تمہارے اندر (موضح قرآن:۱۶۱)۔ ایک قول کی رو سے سب سے زیادہ خوف والی آیت یہ ہے: **لولا ینھٰھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت** (المائدہ:۶۳)۔ کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش اور ملا، گناہ کی بات کہنے سے، حرام کھانے سے!۔ (موضح قرآن:۱۵۲)۔ ایک ایسی سورت ہے جس میں تین آیتیں ہیں اور دس واؤ ہیں! وہ سورہ عصر ہے۔ وغیر ذالک من لطائف التنزیل۔

۷۱ : **علم رسم خط القرآن** : (قرآن مجید کے رسم الخط کا علم) : قرآن مجید کی کتابت میں مصحف عثمانی (کے طریقے) کی پیروی بالاجماع واجب ہے۔ اور اس کے خلاف کرنا تحریف قرآن اور زندقہ کے حکم میں ہے۔ (جواہر الفقہ: ۲/۷۱، قرآن کریم کا رسم الخط اور اس کے احکام، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط:۱۴۳۱ھ)۔ رسم خط عثمانی کا اتباع لازم ہے، اسے چھوڑ کر کسی دوسرے رسم خط میں اگرچہ وہ عربی ہی کیوں نہ ہو، اس میں قرآن کی کتابت جائز نہیں۔ (مصدر سابق: ۲/۷۶، نیز دیکھیے: تسہیل البیان فی رسم خط القرآن:۶۵، مولانا قاری محمد نظر، البشری، کراچی، ط:۱۴۳۴ھ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے متعدد مصاحف تیار کرا کے مختلف شہروں کی طرف بھیجے۔ اور ایک مصحف اپنے لیے خاص کیا۔ اسے ''امام'' کہتے ہیں۔ چونکہ مصاحف عثمانیہ نقاط اور حرکات و سکنات سے خالی تھے، لہٰذا ان میں یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ رسم الخط ایسا ہو کہ اس میں حتی الامکان تمام قراءتیں جمع ہو جائیں۔ اگر قراءتیں اس قدر مختلف ہوں کہ ایک جیسا رسم اختیار کرنا مشکل ہو تو ایسی صورت میں ہر شہر کی طرف بھیجے گئے مصحف میں اس شہر میں اور اس کے اطراف میں رائج قراءت کے مطابق رسم الخط میں قرآن کریم لکھا گیا۔

مثال کے طور پر ارشاد باری تعالی: **ووصی بھا ابراھیم بنیہ ویعقوب.** (البقرہ:۱۳۲)۔اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب۔(موضح قرآن:۲۵)۔میں دو قرائتیں ہیں۔ **ووصـــــى** ۔ **واوصـى** ۔اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں قرائتیں ایک رسم میں نہیں سما سکتیں۔تو مدینہ اور شام کی طرف بھیجے گئے مصحف میں **واوصـى** لکھا گیا، کیونکہ وہاں یہ قراءت رائج تھی۔اور کوفہ اور بصرہ کی طرف بھیجے گئے مصحف میں **ووصـــــى** لکھا گیا، کیونکہ وہاں یہ قراءت رائج تھی۔اس لحاظ سے مصاحف عثمانیہ میں سے ہر مصحف سات حروف پر مشتمل نہیں تھا، بلکہ یہ تمام مصاحف مل کر سات حروف پر مشتمل تھے۔

(برصغیر کے مصاحف کا رسم الخط: ماہنامہ بینات: شوال ۱۴۳۶ھ، ص ۵۸، ۵۹ ملخصاً)

بعد میں مصاحف پر نقطے اور اعراب لگائے گئے۔اس کی غرض یہ تھی کہ قرآن مجید کو درست تلفظ کے پڑھنا آسان ہو جائے۔اس میں بھی علاقے کے لحاظ سے کچھ فرق ہوا۔عجمیوں کو درست تلفظ کے ساتھ جس طرح پڑھنا آسان تھا، ان کے مصحف پر اس طرح سے نقطے اور حرکات وسکنات کی علامتیں لگائی گئیں۔اور ایسے ہی اہل عرب کے ہاں ان کی سہولت کو پیش نظر رکھ کر حرکات وسکنات کی علامات لگائی گئیں۔مثلاً **اھدنا الصـراط المستقیم** (الفاتحہ:۵) چلا ہم کو راہ سیدھی۔(موضح قرآن:۲)۔میں تین ہمزہ وصلی ہیں۔ برصغیر کے مصحف میں پہلے ہمزہ کے نیچے زیر ہے، اور باقی دونوں خالی ہیں۔اور مدینہ منورہ کے مصحف میں تینوں پر صاد کا سرا ہے۔(ماخذہ : فتوی دار العلوم کراچی :۱/۲۰۱۳۰)۔اس وقت عالم اسلام میں تین طرح کے مصحف رائج ہیں:۱: مشارقہ کا مصحف : یہ سعودیہ اور شام وغیرہ میں رائج ہے۔۲: مغاربہ کا مصحف : یہ الجزائر اور موریطانیہ وغیرہ میں رائج ہے۔۳: مصحف تاج: یہ برصغیر میں رائج ہے۔

(قرآنی رسم الخط: ماہنامہ بینات: ربیع الاول ۱۴۳۷ھ، ص ۴۲ ملخصاً)

قرآن مجید پر نقطے اور اعراب کس نے لگوائے؟ مشہور قول کی بنا پر خلیفہ عبد الملک بن مروان (۲۶ - ۸۶ھ) کے حکم سے حجاج بن یوسف نے نصر بن عاصم اور یحیٰ بن یعمر سے لگوائے۔(دیکھیے : مناہل العرفان: ۱/۴۰۶ - ۴۰۸) یہاں خط اور رسم الخط میں فرق بھی ملحوظ رہنا چاہیے۔رسم الخط کے معنی ہیں رسم عثمانی کے مطابق ہونا۔اور خط کے معنی ہیں کلمہ کو اس کے ان حروف ہجاء سے لکھنا کو اس پر وقف وابتدا کے وقت پائے جائیں۔چنانچہ مثلا العلمین خط اور رسم الخط دونوں کے مطابق ہے۔اور العالمین میں خط تو ہے، لیکن رسم الخط نہیں۔شکل وصورت کے اعتبار سے خط کی بارہ قسمیں ہیں: معقلی، قیراموزی، حیری، کوفی، نسخ، ثلث، ریحان، توقیع، محقق، رقاع، تعلیق، تستعلیق۔(تسہیل البیان: ص ۷ - ۹ ملخصاً)

برصغیر کے مصحف کے رسم الخط کی صحت، استناد اور خوبیوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے :۱: برصغیر کے

مصاحف کا رسم الخط، تاریخی و تحقیقی جائزہ: ڈاکٹر محمد شفاعت ربانی، ریسرچ سکالر، قرآنک ریسرچ سینٹر، شاہ فہد قرآن کمپلیکس، مدینہ منورہ۔۲: **رسم مصحف مطبعة تاج : دراسة نقدية مقارنة**، لہ ایضا۔۳: **نشر المرجان في رسم نظم القرآن** : شیخ محمد غوث بن ناصر الدین ارکاتی ہندی (۱۱۶۶ - ۱۲۳۸ھ)

کچھ عرصہ پہلے بعض کرم فرماؤں نے برصغیر کے مصحف کے رسم الخط کو غلط قرار دینا شروع کیا تھا۔ سو یہ ان کی ناواقفیت یا عصبیت تھی۔

۷۲ : **تفسير القرآن الكريم وتاويله وشرفه وشروط المفسر وطبقات المفسرين:**

(قرآن مجید کی تفسیر اور تاویل اور اسکی فضیلت جاننا، اور مفسر کی شروط جاننا، اور مفسرین کے طبقات جاننا):

قرآن مجید کی تفسیر جاننا فروض کفایات میں سے ہے۔ اور تین شرعی علوم (تفسیر، حدیث، فقہ) میں سے سب سے زیادہ فضیلت والا علم ہے۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں جو (صحابہ) قرآن پڑھاتے تھے جیسے حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ، انھوں نے بتایا کہ وہ جب نبی اکرم ﷺ سے قرآن مجید کی دس آیتیں سیکھتے تھے، تو اس سے آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان میں جو علم و عمل ہے اسے پوری طرح حاصل نہ کر لیتے۔ (مسند احمد: ۲۳۴۸۲/ اسنادہ حسن: قالہ محققوا المسند) وہ حضرات فرماتے تھے کہ پس ہم نے قرآن، علم اور عمل اکٹھا سیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک سورت یاد کرنے میں بہت وقت لگاتے تھے۔

قرآن مجید کی تفسیر سب سے پہلے قرآن مجید میں تلاش کرنی چاہیے۔ کیونکہ ایک جگہ جو مضمون اجمالاً آیا ہے، وہ بسا اوقات دوسری جگہ تفصیل سے بھی آتا ہے۔ اس کے بعد احادیث نبویہ میں۔ پھر اقوال صحابہ میں، پھر تابعین کے اقوال میں، پھر لغت عرب میں، پھر عقل سلیم سے۔ (علوم القرآن: ۳۲۱-۳۴۳، ملخصاً)۔ صحابہ اور تابعین کے تفسیری اقوال میں اختلاف کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ حضرات مثال کے درجے میں بھی تفسیر بیان کرتے تھے، ان کا مقصود تحدید کرنا نہیں ہوتا تھا۔ اور کبھی اختلاف صرف تعبیر کی حد تک ہوتا ہے، معنی اور مراد میں اختلاف نہیں ہوتا۔

مفسر کے لیے ۱۵/ علوم جاننا ضروری ہے۔ ۱: لغت۔ ۲: صرف۔ ۳: اشتقاق۔ ۴: نحو۔ ۵-۷: معانی، بیان اور بدیع۔ ۸: قراءات۔ ۹: اصول دین۔ ۱۰: اصول فقہ۔ ۱۱: اسباب نزول وقصص۔ ۱۲: ناسخ ومنسوخ۔ ۱۳: فقہ۔ ۱۴: تفسیر سے متعلق احادیث۔ ۱۵: وہبی علم۔ یہ علوم مفسر کے لیے آلہ ہیں۔ ان علوم کے بغیر تفسیر کرنے والا رائے مذموم سے تفسیر کرنے والا ہے۔ اور ان کے ساتھ تفسیر کرنے والا رائے محمود سے تفسیر کرنے والا ہے۔ مفسر کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اکیلے کلمات کی تحقیق کرے۔ لغت کے لحاظ سے کلام کرے، پھر

صرف کے لحاظ سے، پھر اشتقاق کے لحاظ سے، پھر نحو، پھر معانی، پھر بیان، پھر بدیع کے لحاظ سے، پھر معنی مراد کھولے، پھر استنباط کرے، اور پھر اشارات بیان کرے۔

صحابہ کرام میں سے دس حضرات تفسیر میں مشہور تھے۔ خلفائے اربعہ، عبد اللہ بن مسعو، عبد اللہ بن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسی اشعری، عبد اللہ بن زبیر۔ رضی اللہ عنہم۔ خلفائے ثلاثہ سے تفسیری روایات بہت کم منقول ہیں۔ شاید ان کی وفات پہلے ہو جانے کی وجہ سے ایسے ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے تفسیری روایات سب سے زیادہ منقول ہیں۔ انھیں ترجمان القرآن اور امام المفسرین کہا جاتا ہے۔ البتہ ان سے منقول روایات کا ایک بڑا حصہ سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی: **اللهم فقهه فی الدين وعلمه التاويل** ۔(مسند احمد: ۲۳۹۷/۷، اسنادہ قوی: قالہ محققوا المسند) اے اللہ اسے دین میں فقیہ بنا، اور اسے تاویل سکھا۔

تابعین میں سے مشہور مفسرین درج ذیل ہیں: ۱: مجاہد بن جبر مخزومی مکی۔ ۲: سعید بن جبیر کوفی۔ ۳: عکرمہ مولی ابن عباس۔ ۴: طاؤس بن کیسان حمیری۔ ۵: عطاء بن ابی رباح مکی۔ تابعین کے دور میں عطاء کے نام سے چار مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ صرف عطاء کے لفظ سے عموما عطاء بن ابی رباح ہی مراد ہوتے ہیں۔ ۶: سعید بن مسیّب مخزومی مدنی۔ ۷: محمد بن سیرین بصری۔ ۸: زید بن اسلم مدنی۔ ۹: ابوالعالیہ رُفَیع بن مہران ریاحی بصری۔ ۱۰: عروہ بن زبیر۔ ۱۱: حسن بن ابی الحسن یسار بصری۔ ۱۲: قتادہ بن دِعامہ سدوسی بصری۔ ۱۳: محمد بن کعب قرظی۔ ۱۴: علقمہ بن قیس نخعی کوفی۔ ۱۵: اسود بن یزید نخعی کوفی۔ ۱۶: مرہ بن شراحیل ہمدانی کوفی۔ ۱۷: نافع بن ہرمز نیشاپوری۔ ۱۸: عامر بن شراحیل شعبی حمیری۔ ۱۹: عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ مکی۔ (علوم القرآن: ۴۶۱ - ۴۸۵ ملخصاً)

چند اہم عربی تفاسیر: حضرت بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چونکہ ہمتیں پست ہوگئیں لہذا میں اپنے طالب علم بھائیوں کو کچھ تفاسیر بتاتا ہوں، جو ان پر قناعت کرنا چاہے اسے کافی ہوں گی۔ ۱: تفسیر ابن کثیر۔ ۲: تفسیر رازی۔ ۳: تفسیر ابی سعود۔ ۴: تفسیر آلوسی۔ (یتیمۃ البیان: ۲۳، ۲۴ ملخصاً) حضرت تقی نے ان چار کے ساتھ پانچویں تفسیر قرطبی بھی ذکر فرمائی ہے۔ (علوم القرآن: ۵۰۵)

چند اہم اردو تراجم وتفاسیر: ۱: موضح قرآن: حضرت شاہ عبد القادر دہلوی (۱۱۶۷ - ۱۲۳۰ھ) کا بامحاورہ اردو ترجمہ اور تفسیری فوائد پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کا ارشاد ہے: اگر اردو میں قرآن نازل ہوتا تو شاید اس کی تعبیرات وہی یا اس کے قریب قریب ہوتیں جو اس ترجمہ (موضح قرآن) کی ہیں۔ (مستند موضح قرآن: ۳۰)۔ اس کا صحیح ترین نسخہ مستند موضح قرآن کے نام سے ایچ

ایم سعید کراچی سے طبع ہوا ہے۔ موضح قرآن کی خوبیوں کی تفصیل کے لیے مولانا اخلاق حسین دہلوی کی کتاب ''محاسن موضح قرآن'' قابل دید ہے۔ ۲: موضح فرقان: حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ سے قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کا اصرار کیا گیا تو آپ نے موضح قرآن کی تسہیل وتشریح کو کافی قرار دیا، اور اسے موضح فرقان نام دیا۔ اس کے خطبہ میں حضرت شیخ الہند نے موضح قرآن کی خوبیوں پر بھی کچھ روشنی ڈالی ہے۔ اس پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے تفسیری حواشی تحریر فرمائے۔ یہ مجموعہ تفسیر عثمانی کے نام سے مطبوع ہے۔ ۳: بیان القرآن: حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی۔ مکتبۃ البشری نے حال ہی میں مخطوط کی مراجعت سے تصحیح کر کے اسے شائع کیا ہے۔ ۴: تفسیر حقانی: مولانا عبد الحق حقانی دہلوی (۱۲۶۷ - ۱۳۳۵ھ)۔ ۵، ۶: معارف القرآن: حضرت مفتی محمد شفیع اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی دونوں کی تفسیریں اسی نام سے ہیں۔ حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی (۱۱۶۳ - ۱۲۳۳ھ) کی طرف قرآن مجید کا ایک لفظی ترجمہ منسوب اور مشہور ہے۔ مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کی تحقیق کے مطابق حضرت کی طرف اس ترجمے کی نسبت قابل اعتماد طریقے سے ثابت نہیں۔

قرآن مجید کا ترجمہ کتنا نازک کام ہے؟ اس کا اندازہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے دو رسالوں سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ ''اصلاح ترجمہ دہلویہ'' اور ''اصلاح ترجمہ مرزا حیرت''۔ پہلے میں ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ترجمے کی غلطیاں ظاہر فرمائی ہیں، اور دوسرے میں مرزا حیرت دہلوی کے ترجمے کی۔ اور فرماتے ہیں: مشاہدہ شاہد ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ گو اُردو ہی میں ہو، خود دیکھنا اور کسی استاد سے سبقاً سبقاً نہ پڑھنا، بجائے ہدایت کے گمراہی کا سبب ہوجاتا ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۱۱۹/۵، ۱۲۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ)۔ اور ارشاد ہے: قرآن مجید کا اگر اردو میں ترجمہ ہو تو شاہی کلام کے طرز کا ہونا چاہیے۔ سلاطین کے محاورات کی اس میں رعایت ضروری ہے۔ بازاری اور عام محاورات سے پاک ہونا ضروری ہے۔

(خطبات حکیم الامت: ۱۸/۹، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان ط: ۱۴۳۰ھ)

شیخ سیوطی مرحوم نے الاتقان میں ہر نوع کے شروع میں، اس کے بارے میں مستقل تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس سے علمائے امت محمدیہ - علی صاحبہا الف الف تحیۃ - کے قرآن مجید کے ساتھ اشتغال اور انہماک کا اندازہ ہوتا ہے، کہ کتاب مجید کے کس کس پہلو پر مستقل کام کیا ہے۔ **فجزاهم الله تعالى عن جميع المسلمين خيرا** ۔ آمین

☆......☆......☆......☆